DATE LABEL

J. & K. UNIVERSITY LIBRARY

This book should be returned on or before the last date stamped above. An over-due charge of *.06 P.* will be levied for each day, if the book is kept beyond that day.

S/C

کس سے چادر ہاتھ نکلے گی
سردی سے جب ٹھٹھر اٹھو گا

شفق سوپوری

Fourth Edition

ڈیڈیکیشن

بنامِ شاہدِ نازک خیالاں

میں اپنی اس ناچیز تصنیف کو اپنے پیارے دوست مسٹر شاہد احمد بی اے (آنرز) دہلوی۔ ایڈیٹر رسالہ ساقی کے نام نامی سے معنون کرتا ہوں۔ اس محبت اور خلوص کے ساتھ جو ایک ناول نویس کو اپنے ایک ہمدرد اور مخلص دوست کے ساتھ ہو سکتا ہے۔

جودھ پور

۲۲ مئی ۱۹۳۲ء

عظیم بیگ چغتائی

عرضِ مُصنّف

اس ناول کے جس طرح تمام واقعات شروع سے لے کر آخر تک فرضی ہیں اِسی طرح تمام نام بھی فرضی ہیں اور ان کو حقیقت سے کوئی تعلق نہیں نہ پونہ کے کسی کالج سے اس قصہ کو متعلق سمجھا جائے اور نہ کوئی کرنل میر یا مس ملر تھیں قصہ مختصر شروع سے لیکر آخر تک قصہ بالکل فرضی ہے۔

جودھپور

مئی ۱۹۳۲ء

عظیم بیگ چغتائی

دیباچہ

لنکران خاں امرائے دہلی سے تھے ۔ یکم اپریل ۱۸۵۷ء میں غدر کی وجہ سے مع اپنے گھر بار اور بائیس ہزار دو سو تین آدمیوں کے بحر کاسپین کے کنارے پہنچے وہاں ساحل کے پہاڑ اور ٹیلہ توڑ کر سمندر میں انھوں نے ایک جزیرہ اکیسو بائیس میل لمبا اور ڈیڑھ سو میل چوڑا بنایا اور خود مختار حکومت کی بنیاد ڈالی ۔ خاص شہر لنکران دار السلطنت ہے اور دوسرے درجہ کا شہر آباد ان ہے سنہ ۶۲ء میں وہاں موجودہ حکمراں کا جی گھبرایا اور انھوں نے "جبکر کمپنی" کو ٹھیکہ دے کر جزیرہ اٹھوا کر بمبئی سے قریب ہی بحر ہند میں باقاعدہ جموا لیا ہے ۔ جو اب تک جما ہوا ہے ۔ آپ لنکران میں جائیں تو طرز رہائش مکان دوکان سے لے کر باغ باغات اور لوگوں کی بول چال سب ہندوستانی ۔ بس یہی معلوم ہوگا کہ ہم دلی یا آگرہ کے گرد و نواح کے کسی شہر میں گھوم رہے ہیں اور یہ قصبہ وہیں کا ہے ۔

اُچکّا

ایک شخص نے کہا "حضور یہی ہے۔ میں سائیکل پہ جا رہا تھا تو اس نے میرے منہ سے سگریٹ اُچک لیا۔ پھر کیل پر کھڑا ہو گیا اور ٹوپی لے کر جھپٹ مار کے جو بھاگا ہے تو آج دیکھنے میں آیا ہے۔"

دوسرا بولا: "سرکار میں اسٹیشن والی سڑک پر بیٹھا برف تول رہا تھا۔ روکڑ کے پیسوں پر جھپٹا مار کے بھاگا تو اس کی دھول تک مجھے نہ ملی۔"

تیسرے نے کہا: "بڑا بدمعاش ہے۔ میرے ہاتھ سے ایک روپیہ اور ایک لوٹی چھین لے گیا۔"

ایک لالہ ہاتھ جوڑ کے بولے: "سرکار میں جنگل گیا تھا۔ سامنے لوٹا رکھا تھا لے کر چلتا بنا۔"

ایک اور صاحب بولے: "ہماری بٹیروں کا پنجرہ لے بھاگا۔ ڈھائی روپے کی بٹیریں تھیں بڑی مشکل سے پنجرا چار آنے پیسے دے کر دو روز بعد واپس لیا ہے۔"

ایک بڑے میاں بولے: "دیکھو تو بدمعاش کو میری بٹیر ہاتھ میں لی کہ دیکھوں اور لے بھاگا۔ حضور پچاس روپے کا "لڑنکا" بٹیر تھا۔ درجنوں پالی دیکھے ہوئے۔"

٭ لمبا کدو ہرا گھیا

ایک اور بولے۔"میری پسلی پر اس نے حضور وہ گھونسا دیا ہے کہ میرا سانس اندر کا اندر اور باہر کا باہر مجھ سے ہلا جاتا کیا خاک، گٹھڑی لے کر چلتا بنا۔"

ایک دوسرے بولے۔"حضور مجھے چبوترہ سے دھکیل دیا۔ میرا کولھا اُتر گیا لنگڑاتا اُٹھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ انگرکھا غائب تھوڑی دور جا کر انگرکھا تو مل گیا مگر اس میں سے چاندی کی پانوں کی ڈبیہ اور روپے کا بٹوا غائب۔"

"یا الٰہی یہ شکایتوں کا دفتر! بُرے پھنسے" اِدھر میں نے دل میں کہا اور اِدھر کوتوال صاحب نے پکارا۔" جمن خاں! جی حضور!" کہہ کر جمن خاں وارد ہوئے بخدا چڑی کے بادشاہ کی سی صورت داڑھی چڑھائے کلّہ پر کلّہ گٹھا ہوا بدن سینہ آگے کو بھرا ہوا۔" ذرا اول نمبر ......" کوتوال صاحب نے کہا۔

بہت اچھا کہہ کر جمن خاں میری طرف آئے میں سوچ ہی رہا تھا کہ یہ اوّل نمبر کیا کہ اس زور سے پورے ہاتھ کا "رہپٹ" دیا ہے جمن خاں نے —— میرے بائیں گال پر کہ مجھ سری کا ہٹا کٹا انیس سال جوان چرخ کھا گیا۔ دن میں تارے دکھائی دے گئے اور سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ ایک اور۔ اور .... اور! چار چھ زناٹوں ہی میں "بنگو" ہو گیا۔ ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تو پڑی ہی تھیں تھپیڑوں کے بعد ہی جمن خاں نے خدا جھوٹ نہ بلائے اپنے پیر سے ڈیڑھ پاؤ کا جوتا اس صفائی سے نکال کر میری چندیا پر دیا ہے کہ نظر نے کام نہ کیا۔ کب پاؤں میں تھا۔ کب نکلا اور کب ہاتھ میں پہنچا اور کب سر پر پڑا "بھپ" سے ایک سر پر آواز آئی کہ دھچکے کے ساتھ ہی آنکھوں میں بجلی سی کوند گئی اور پھر تو تڑ اتڑ.... ..... نہیں بلکہ دھڑا دھڑ ہونا شروع ہوئی ہے تو خدا کی پناہ۔ تھوڑی دیر تک

تو مجھے چوٹ کا احساس بھی رہا پھر بے ہوش ہو گیا۔

جب ہوش آیا ہے تو نکسیر کا خون بہہ رہا تھا اور کوتوال صاحب نے حکم دیا کہ ٹکٹکی پر کس دو۔

دوزخ کی تمام اذیتیں ایک طرف اور جناب ٹکٹکی کی تکلیف ایک طرف! پھر لطف یہ اگر آواز نکلی تو جمن خاں کا جوتہ پڑے، غرض انتہائی اذیتوں کی وجہ سے زندگی دوبھر معلوم ہونے لگی۔ دو دن مجھے وہ ایذائیں دی گئی ہیں کہ خدا کی پناہ تیسرے روز کوتوال صاحب نے کہا "کہیے حضرت کیا رائے ہے؟" میں جواب میں ہاتھ جوڑ کر گڑگڑا رہا تھا۔

کوتوال صاحب نے مجھے ٹکٹکی پر سے اتروا دیا کہنے لگے کہ "دیکھا تم نے میں کیسا آدمی ہوں؟ یاد رکھنا کہ کھال کھینچ کر بھُس بھروا دوں گا۔ بس خیریت اسی میں ہے کہ اب تم لنگران کی سرحد پار کر جاؤ اور ادھر کبھی رُخ نہ کرنا۔ میں بدمعاشوں کو اپنے علاقے میں رہنے نہیں دوں گا۔ میں جیل میں بھجوا کر دُنبہ کی طرح تمہیں موٹا تھوڑی کروں گا۔ بلکہ ایسی سزائیں دوں گا کہ یاد کرو۔ نکلو یہاں سے نکلو...... بھاگو۔"

اِدھر میں نے اس آفت سے رہائی پائی اور اُدھر میں لنگوا نگر یا ٹھٹہ تا کوتوالی سے بھاگا۔

"دنیا میرے لئے تاریک تھی وہ تو کہئے میں نے زبردستی اپنی خوش دلی اور چلبلے پن سے اپنی زندگی دلچسپ بنا رکھی تھی۔ ذرا غور تو کیجئے کہ دنیا میں میرا کوئی نہ تھا اور ویسے

اگر میں آپ کو شجرہ دکھاؤں تو شاہ لنگران خود تیسری یا چوتھی پڑھی میں اپنے وقت رئیس کا بیٹا نہیں تو کم از کم پوتا تو ضرور تھا، پڑھنا میں نہیں جانتا۔ لکھنا میں نہیں جانتا بتایئے کیا کروں؟ کیا مزدوری کروں؟ مزدوری میں چار چھ آنے سے زیادہ نہیں ملیں گے یہ سوچتا ہوا کوتوالی سے دور پہنچا۔ کہاں تو یہ سوچ رہا تھا کہ چھوٹتے ہی لنگران سے بھاگ جاؤں گا مگر اب یہ سوچا کہ کون دیکھتا ہے دو چار روز چھپا رہوں گا۔ فتو خاں کے جوئے خانے میں پڑا رہوں گا کچھ دن پھر وہاں سے کوئی صورت بہتری کی نکل آئے گی۔

قسمت تو دیکھئے کہ فتو خاں کے یہاں پولیس نے چھاپہ مارا اور میں تیسرے ہی روز پکڑا گیا اور پھر میری وہی گت کوتوال صاحب نے بنوائی، تین روز کی سخت ایذا کے بعد چھوڑا اور اب میں سچ مچ لنگران سے بھاگ گیا دس روز بعد ہی چپکے سے پھر واپس آگیا۔ کیونکہ لنگران کے باہر جی کہیں نہ لگتا تھا۔ مہینہ بھر مزے سے گذرا پھر اس کے بعد نہایت ہی احتیاط سے میں نے چوریاں شروع کر دیں مگر ادنیٰ قسم کی لیکن اس کے بعد ہی پھر دست درازیاں بھی شروع کر دیں کیونکہ آپ سے صحیح عرض کرتا ہوں کہ بغیر اس قسم کی دلچسپیوں کے زندگی ہیچ ہے۔ رات کو امرودوں اور نارنگیوں کے باغ گھسوٹنا میرا بہترین مشغلہ تھا۔ علاوہ گاہے گاہے اکیلے دوکیلے کسی کو چپت بھی دیتا۔ ہیڈ کانسٹبل ایک مرتبہ ملا۔ اس سے میں نے کہہ دیا کہ نارنگیاں اور امرود بیچا کرتا ہوں دلالی کرتا ہوں۔ گھونسا دکھا کر وہ کہنے لگا کہ "تمہاری چمڑی ادھیڑ دی جائے گی"۔

میں نے بھی تیز ہو کر کہا۔ "تمہاری کھال کھینچی جائے گی"۔ یہ سن کر وہ سر ہلاتے چل دیئے ورنہ ٹھونکتا ان کو پھر دیکھا جاتا۔

پھر آئے دن میری شکایتیں ہونا شروع ہوئیں، بہت دفعہ پکڑ کر کوتوالی میں گیا اور مارا گیا۔ تھوڑے عرصہ میں دستور سا ہو گیا کہ کوتوالی کی مار کا بھی ڈر نکل گیا۔ اب کوتوال صاحب کو بھی عادت ہو گئی کہ کوئی جھوٹ موٹ بھی میری شکایت کر دے اور میں ان کے ہاتھ لگ جاؤں تو پچاس جوتے لگوا دیتے اور چھوڑ دیتے۔ بات یہ ہے کہ وہ بھی کچھ تنگ آ کر تھک سے گئے تھے۔ میں نے ایک باغ میں دو آنے روز کے اوپر لوگوں کے دکھانے کے لئے نوکری کر لی تھی۔ دن بھر سوتا اور رات کو اِدھر اُدھر کے باغوں کو کھسوٹتا، راہ گیروں کو ٹھونکتا، خوانچہ والوں کو لوٹتا۔ غرض زندگی بڑے مزے سے گزر رہی تھی۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ میرا دوست قمرالدین آیا اور مجھ سے بولا کہ "چلو یار بادشاہ کے باغیچہ میں چھاپا ماریں"۔ میں نے کہا "یار وہ کیسے؟ جو اگر کہیں پکڑے گئے تو؟" اس پر اس نے تمام تفصیل بتائی۔ تجویز یہ ہوئی کہ مالی تو پڑا سوتا رہتا ہے۔ دیوار پھاند کر اندر پہنچ جائیں گے اور اندر سے دروازہ پائیں باغ کا کھول کے نکل آئیں گے۔ تجویز تو اچھی تھی کیونکہ بادشاہ کے باغ کی رکھوالی کرنیوالے بھی پیر پھیلا کر سوتے تھے کہ یہاں کون آسکتا ہے ہم دونوں نے پختہ ارادہ کر لیا۔

رات کے ٹھیک بارہ بجے ہم دونوں پہنچے دو کیلیں گاڑ کے بڑی آسانی سے دیوار باغ کی پار کی اور اندر پہنچکر ایک دروازہ تھا اس کی کنڈی کھولدی مگر دروازہ اسی طرح بند رہنے دیا کہ ضرورت پڑے تو بھاگ جائیں۔ میں نے قمرالدین سے کہا کہ یار میرے کچھ بادشاہی کے لطف بھی اُٹھانے دیگا یا نہیں؟ آؤ سیر کریں ناکچھ باغ کی"۔ اس نے انگلی اٹھا کر سامنے فاصلہ پر بارہ دری کی طرف اشارہ کیا اور کہا کچھ ہو بندہ خاں تو گھوم رہیں گے"۔ میرے منہ سے یہ نکلا ہی تھا کہ ایکدم سے بائیں طرف سامنے کی روش پر کسی کے آنے

کی آہٹ ہوئی مگر تین عورتیں تھیں میرا دم ہی تو نکل گیا۔ ہم دونوں ایک دم سے سمٹ کر رہ گئے۔ مگر ان عورتوں نے شاید ہمیں دیکھ لیا جو ایکدم سے بجلی کے پاکٹ لیمپ کی طاقتور روشنی کی تڑپ اور دوسرے برابر والی عورت کا چہرہ دکھائی دیا۔ بس ایک بجلی سی تھی کہ کوند گئی۔ "کون؟" آہستہ سے کہکر پاکٹ لیمپ گل کر کے وہ عورت میری طرف بڑھی "کون؟" اس نے چپکے سے کہا۔ ہم نے مجبوراً جواب دیا۔ "ہم"

"ہم کون؟" وہ آہستہ سے مگر ذرا لہجہ کو زوردار بنا کر بولی۔ "اے ہم کون .... باغ کے رکھوالی یا مالی؟"

"ہم رکھوالے"۔

"اچھا دیکھو"۔ اس نے چپکے سے کہا "کسی سے کہنا نہیں کہ یہاں کسی کو دیکھا تھا یہ لو ...."

یہ کہکر اس نے ایک روپیہ مجھے دیا اور ایک قمر الدین کو۔ میں نے سلام کیا اس نے کہا "چپ!" اور وہ چلی گئی۔

میں کیا عرض کروں کہ میں کیا سوچ رہا تھا ایکدم سے لپک کر میں نے اس کا پکڑ لیا کیونکہ یہ ایک نوجوان لڑکی تھی اور میں نے کہا۔ "یہ کون ہے؟"

"تو کون؟" اس نے بگڑ کر کہا۔

میں نے ذرا زور سے کہا "باغ کے رکھوالے"۔

"ارے چپ"۔ اس نے کہا "کمبخت کیوں تیری موت آئی ہے۔ چھوٹی شہزادی صاحبہ ہیں کمبخت بھاگ" یہ کہہ کر وہ تیزی سے نکل گئی۔ میں گویا کھڑا کا کھڑا رہ گیا کہ قمر الدین نے مجھے بلایا۔ "ابے کیا کر رہا ہے؟" میں نے کہا "آؤ نا دیکھیں یہ شہزادی صاحبہ کہاں جاتی ہیں یہ قلعہ سے رات کو کیسے کھسک آئیں یار یہ کیا معاملہ ہے؟" "یہاں پر سب بدمعاش ہیں آوارہ۔ کسی یار سے ملنے جاتی ہوں گے۔ قمر الدین نے کہا۔ اب جلدی کرو"۔ "نہ میں نے اسکے یار کا سر پھاڑ دیا ہو تو میرا ذمہ چل یار دیکھیں نا کیا معاملہ ہے" یہ چپکے سے آئی ہیں قلعہ سے نکلکر ہمیں کچھ بھید ہے"۔ "ابے پاگل ہوا ہے"۔ قمر الدین نے کہا۔ "چلکر جلدی .... اپنا کام۔ ادھر کی دنیا ادھر ہو جائے بندہ خاں تو اس شہزادی سے دل لگا چکے دیکھو تو چل کر کیا معاملہ ہے" قمر الدین نے بہت منع کیا۔ مگر میں نے نہ مانا اور اس کو بھی گھسیٹ کر اسی بارہ دری کی طرف لے چلا۔

شہزادی صاحبہ

کس مصیبت سے ہم دونوں بارہ دری کے بلند برآمدے میں پہنچے کہ بیان سے باہر گھونسا تان کر میں نے چپکے سے قمرالدین سے کہا۔ "پہلے مجھے دیکھنے دے" میں دروازے کے ایک چھوٹے سے سوراخ میں سے دیکھ رہا تھا سامنے، چھوٹی شہزادی صاحبہ تشریف فرما تھیں۔ صورت سے شکل سے لباس سے ہر طرح شہزادی تھی! کوئی چودہ سال کی عمر ہوگی۔ صاف شفاف بلور کا سانچے میں ڈھلا چہرہ بجلی کی روشنی میں چاند کی طرح دمک رہا تھا۔ کس قدر نورانی حسن تھا مگر ساتھ ہی شاہانہ تمکنت۔ اس معصوم مگر بیحد حسین چہرہ پہ اس طرح عیاں تھیں کہ دیکھتے ہی ہر شخص کہدے کہ شاہ لنکراں کی لڑکی ہے۔ پھر عجیب بات یہ کہ حسن کے ساتھ چہرہ پر تمکنت اور اس تمکنت کے ساتھ دبدبہ اور جلال چہرہ کے ہر خد وخال پر تحریر تھا کس انداز شاہانہ سے بیٹھی تھی کہ میری آنکھوں میں دبدبہ مجسم ہوکر رہ گئی ہے۔ کچھ باتیں ہو رہی تھیں اور اب میں نے اس طرف کان لگائے۔

"..... کتنا چاہتے ہیں؟" سپرنٹنڈنٹ باغات کی لڑکی نے کہا جیسا بعد میں معلوم ہوا۔ "اتنا چاہتے ہیں کہ بس مجھے جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں اور کہتے ہیں..... اور کھلم کھلا کہتے ہیں کہ نازش بغیر دنیا اندھیر ہے اور میرا بھی یہی خیال ہے کہ مجھے

جو جہاں پناہ سے محبت ہے وہ دُنیا میں کسی بیٹی کو نہ ہو گی۔ بغیر ان کے دُنیا اندھیر ہے میں جوان ہونے آئی مگر ان کے لئے ابھی دو برس کی بچہ ہوں“۔ پھر آپ نے ان جنگل خلوں کے سامنے کیا کہہ دیا جو اس نے جا کے لگا دیا؟“ سپرنٹنڈنٹ کی لڑکی نے پوچھا۔

میں نے کیا کہہ دیا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود جہاں پناہ ہی نے اسے کچھ سکھا کر میرے پاس میرے دل کی بات معلوم کرنے بھیجا ہو گا۔ وہ یہی کہہ رہی تھی کہ میری شادی جہاں پناہ ہی نے آبادان کے سرداروں سے ٹھہرائی ہے کئی مرتبہ جب اس نے مجھ سے کہا تو کہہ دیا میں نے بھی کہ میں ان گنواروں میں نہیں جاؤں گی میں تو عمر بھر جہاں پناہ کے قدموں میں رہوں گی“۔

”بس پھر کچھ نہیں کہا؟“ سپرنٹنڈنٹ باغات کی لڑکی بولی۔

”کہا کیوں نہیں!“ شہزادی اپنے حسین چہرہ پر غرور کی جھلک پیدا کر کے بولی۔ کہا کیوں نہیں! خوب کہا۔ اس نے مجھے پھر اسی طرح چھیڑا تو میں نے کھری کھری سنائی اس نے کہا کہ تیاریاں ہو رہی ہیں۔ آبادان میں میرے لئے محل بن رہا ہے۔ اس پر میں نے بگڑ کر ڈانٹا اس کو کہ اب کی مرتبہ ان گنواروں کا مجھ سے ذکر کیا تو منہ توڑ دوں گی۔

”بس۔ بس یہی بات ہے“۔ سپرنٹنڈنٹ باغات کی لڑکی نے کہا۔ ”یہی بات ہے اس نے نمک مرچ لگا کر کہا ہو گا۔ جب ہی تو بل کھاتے باغ سے جہاں پناہ گئے اور پھر کچھ حضور سے باتیں ہوئیں ..... آخر کیا انداز آپ نے ......“

شہزادی کا خوبصورت چہرہ روشنی میں یکایک تمتما اٹھا۔ غصہ کے لہجے میں اس نے کہا۔ ”آج وہ باتیں ہوئیں جو لنکران کے شاہی خاندان میں باپ بیٹی میں کبھی نہ ہوئی ہونگی“

”وہ کیا؟ وہ کیا؟“

(وہ یہ کہ مجھے جہاں پناہ نے بلایا۔ ان کے سامنے جا کر میں بھی تو بچہ ہو جاتی ہوں) میں نے پیچھے سے جا کر جہاں پناہ ہی کی آنکھیں میچ لیں۔ اس گستاخی کی مجھے اور صرف مجھے اجازت ہے۔ چنانچہ بڑے پیار سے ہنس کر بولے "نازو ..... نازو ..... نازو بادشاہ زادی ..... نازو" یہ کہہ کر مجھے گھسیٹ کر آگے کیا۔ میری انگلیوں میں اپنی انگلیاں پھنسا کر کہنے لگے "میں نے سنا ہے تو آبادان کے سرداروں کو گنوار کہتی ہے بری بات۔ وہاں بڑے بڑے بزرگ گذرے ہیں وہ لوگ قابلِ احترام ہیں"۔

میں ایک دم سنجیدہ ہو گئی، میرا کلیجہ دھک دھک ہونے لگا۔ شرم کے مارے مجھے پسینہ آگیا کہ وہ پھر بولے۔

"آبادان کے سردار گنوار ہیں .... کیا گنوار ہیں؟"

اب میں دل میں سوچی کہ اگر کہیں اس وقت کہہ دیا کہ گنوار نہیں ہیں تو یہ مطلب نہ نکال لیں کہ میں اپنی شادی پر رضامند ہوں اور پھر سنجیدہ معاملات میں گستاخی کا بھی خیال اور پھر شرم۔ لہذا میں کچھ نہ بول سکی تو پھر پوچھا "بولتی کیوں نہیں ...؟ کیا آبادان کے سردار گنوار ہیں؟ بول .....!"

میں نے گردن نیچی کر کے دبی زبان سے کہا "مجھے کیا معلوم"۔

"پھر تو نے گنوار کیسے کہا؟" ذرا تیز ہو کر بولے۔

تیزی مجھے بھی گوارا نہیں، خود انھوں نے سکھائی ہے۔ میں نے بھی جل کر کہا...

"گنوار تو ہیں ہی"

"ہیں! ہمیں یہ جیبیں ہو کر بولے" جن کی میں عزت کروں۔ جن لوگوں سے میں محبت کروں ان کو تو گنوار کہتی ہے!" ان کی آنکھیں ایک دم غیظ و غضب سے لال

ہو گئیں۔

میں بھلا ڈرنے والی؟ میں نے بھی کہا۔ "جہاں پناہ جس کی عزت آپ کریں اسکی سب سے پہلے میں عزت کرتی ہوں۔ جس سے آپ محبت کریں اس سے مجھے محبت ہے۔"

"پھر گنوار کیسے کہا؟" کڑک کر بولے۔

"گنوار تو ہیں ہی" میں نے سادگی اور لاچاری سے کہا۔

"تجھے کیسے معلوم کہ گنوار ہیں؟ تجھ سے کس نے انھیں گنوار کہا؟ تو کیا جانے گنوار کیا ہوتا ہے؟ تو نے گنوار دیکھا بھی ہے؟ گنوار کہتے کسے ہیں؟" مجھ سے تیز ہو کر پوچھا۔

میں نے کہا۔ "جہاں پناہ میں نے گنوار بہت دیکھے ہیں اور پھر جو گاؤں میں رہے وہ گنوار۔ آبادان پھر گاؤں ہے اور وہاں کے رہنے والے گنوار۔"

"چل دور ہو سامنے سے دور ہو دور!"

میں بڑبڑاتی چلی آئی جب سے اب یہ دستور ہو گیا ہے کہ مجھ سے انہیں چغل خوروں سے روزانہ پچھواتے ہیں کہ آبادان والے کون ہیں؟ میں روز جواب دیتی ہوں کہ "گنوار ہیں" اگر ایک دن بھی یہ جواب نہ دوں تو شاید یہ قصور ہو کہ میں اس رشتہ پر رضامند ہوں۔ روز کا یہی دستور ہے کہ دریافت کرواتے ہیں۔ میرا بند ہے۔ نہ مجھے بلاتے ہیں اور نہ آنے دیتے ہیں۔ میں نے بھی سوچ لیا تھا کہ اپنی ضد پر قائم رہوں گی۔ مگر اب نیا گل کھلا اور اسی لئے میں تمہارے پاس آئی ہوں۔"

"وہ کیا؟"

وہ یہ کہ مجھے کل بلایا۔ غصہ کی باتیں ہوئیں۔ ڈپٹ کر مجھ سے کہا۔ "آبادان والے

کون ہیں؟"

"گنوار جہاں پناہ"۔ میں نے صاف صاف کہہ دیا۔ "گنوار!"

"گنوار؟"

"گنوار!"

"تیری ہستی" بگڑ کر کہا۔ "تیری ہستی مٹا دوں گا۔ جانتی ہے میں کون ہوں؟"

"جانتی ہوں"۔ میں نے عرض کیا۔

"کون ہوں"۔؟

"شہنشاہ لنگران۔ آقائے لنگراں"۔

"پھر...... پھر تو......"

"میں شہنشاہ لنگران کی بیٹی ہوں"۔

"میں کون ہوں؟" بگڑ کر زور سے کہا۔

"آقائے لنگران"۔ میں نے بھی زور سے کہا۔

"جانتی ہے میں تیرا کیا کر سکتا ہوں"۔

"نازو کی جان تک آقائے لنگران کے ہاتھ میں ہے، لے سکتے ہیں آپ"۔

"کچھ اور بھی کر سکتا ہوں؟"

"سب کچھ کر سکتے ہیں"۔

"آبادان والے کون ہیں؟" کچھ خوش سا ہو کر پوچھا۔

"گنوار"۔ میں نے سوکھے منہ سے جواب دیا۔ "گنوار"۔

"ارے؟" بگڑ کر اور کڑک کر کہا۔ "پھر وہی پھر وہی ضد"۔

"تو نے گنوار دیکھے ہیں؟"

"دیکھے ہیں"۔ میں نے کہا۔

"نہیں دیکھے"۔ زور دے کر بولے۔

"دیکھے ہیں"۔ پھر میں نے کہا۔

"میں تجھے گنوار دکھاؤں گا۔ چل دور ہو"۔

اس کے بعد سے خاموشی ہے اور میری بہن اب تم بتاؤ کہ باغ میں کیا رنگ آج رہا تم تو ادھر گئی ہوگی۔ کچھ خبر سناؤ"۔ وہ بولی "شہزادی صاحبہ۔ بس خبر اسکے سوائے اور کچھ نہیں کہ جہاں پناہی نے کوتوال صاحب کو بلوایا وزیر اعظم آئے اور علیحدہ تنہائی میں ان سے کچھ باتیں ہوئیں۔ والدصاحب کہتے تھے کہ جہاں پناہ انتہائی غیظ و غضب میں تھے اور وزیر اعظم اور کوتوال صاحب دونوں کانپتے نکلے ہیں۔ خواجہ سرا سے معلوم ہوا کہ کچھ آپ ہی کی باتیں تھیں، اب اس سے زیادہ کچھ نہیں معلوم"۔

شہزادی بلند اقبال شان شاہانہ کے ساتھ رخصت ہونے اٹھیں ادھر میں نے اپنا سر سوراخ سے ہٹایا۔ قمرالدین دوسرے سوراخ سے دیکھ رہا تھا۔ ہم دونوں اس طرح اس ڈرامہ کو دیکھنے میں محو تھے کہ ایک کو دوسرے کی خبر نہ تھی۔ ایک دم سے ہم دونوں چونک پڑے، میں نے قمرالدین سے کہا "کہاں بادشاہ سلامت علت میں پڑے ہیں چھوکری کو مجھ سے بیاہ دیں"۔ ایک ٹیپ ماریکی قمرالدین نے کوشش کی اور کہا "چلو"۔ ہم دونوں اندھیرے میں سایہ کی طرح غائب ہوگئے۔ شہزادی صاحبہ کو ہم نے دور سے اندھیرے میں روش پر تیزی سے جاتے ہوئے دیکھا۔ جب وہ چلی گئیں تو ہم اپنے کام میں مشغول ہوئے۔ بڑی کامیابی کے ساتھ ہم نے باغ کھسوٹا اور صبح ہوتے ہوئے اپنے ٹھکانے پہنچے۔

گرفتاری

ظاہر ہے کہ شاہی باغ کی چوری سے کیا کچھ کھلبلی لنگران میں نہ پڑی ہوگی۔ ہم نے اپنے آڑھتیہ کو مال دیا تھا۔ وہ منڈی میں پکڑا گیا۔ شاہی باغ کا پھل چھپنا مشکل ہے۔ میوہ فروش پکڑے گئے اور بڑے جوان کے سر پر بے بھاؤ کی تو قبول دیئے کہ کس سے لیا ہے۔

یہاں ہم دونوں بڑے باغ کی جھونپڑی میں بے خبر سو رہے ہیں۔ رات بھر جاگے تھے میں خواب میں شہزادی کو دیکھ رہا تھا کہ میری آنکھ کھل گئی چاروں طرف باغ میں سناٹا تھا۔ میں اٹھا جھونپڑی سے باہر نکلا کہ سامنے کھیت میں کیا دیکھتا ہوں کہ سرکاری سپاہی چلے آ رہے ہیں میں نے قمرالدین کو آواز دی زور سے۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس نے سنا یا نہیں اور میں بھاگا باغ کی دیوار کی طرف سپاہیوں نے مجھے دیکھ لیا اور کڑک کر حولدار نے آواز دی۔ مگر میں بھلا رکنے والا تھا۔ تیر کی طرح جا رہا تھا کہ گولی کی آواز آئی۔ سن سے میرے سر پر سے نکل گئی۔ میں اور بدحواس ہو کر بھاگا۔ قبل اس کے کہ میں سامنے کے کھیت میں غائب ہوں۔ چھ گولیاں اپنا خونی گیت گاتی سنسناتی میرے کان پر سے نکل گئیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ قمرالدین پر کیسی گذری۔ میں بھاگا بھاگ اور مارا مارا کھیتوں کھیت چلا گیا اور سیدھا دیہات کی طرف نکل گیا۔ میں جب رکا ہوں جب دوڑتے دوڑتے اور بھاگتے بھاگتے تھک گیا۔ بالکل شل ہو گیا۔ ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر میں نے سوچنا شروع کیا۔ اب مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ شہر سے میں پانچ چھ میل کے

فاصلہ پر تھا۔ "کوتوال میری کھال کھنچوا لے گا" میں نے دل میں کہا "جیتا نہ چھوڑیگا"۔ بات تو یہ ہے کہ کوتوال کا بھی میں نے ناطقہ بند کر رکھا تھا۔ ایسے ایسے چھوٹے چھوٹے جرم کرتا تھا جو بمنزلۂ شرارت کے ہیں اور اس کی دوا کوتوالی مار پیٹ رکھی تھی نہ معلوم کتنوں کو اس نے ٹھکانے لگا دیا مگر مجھ سے اس کی نہ چلنا تھی نہ چلی۔ مگر اب مجھ کو بھی ڈر لگ رہا تھا کہ شاہی محل کا باغ کھسوٹا ہے خدا خیر کرے۔

میں نہیں بیان کر سکتا کہ دس پندرہ دن میرے کس مصیبت سے کٹے ہیں۔ گاؤں گاؤں مارا پھرا ہر جگہ مزدوری کی۔ پھر دو چار کو مارا پیٹا بھی۔ ایک جگہ پکڑ کر خوب پیٹا بھی گیا لوٹے کھیتوں پر سے غائب کیے اس گاؤں کے اس گاؤں میں بیچے جب دل سے ذرا ڈر نکل گیا تو لنگران کا رخ کیا رات کے دس بجے کے قریب ٹھہرتا کپکپاتا جھونپڑی میں اسی باغ میں پہنچا بڑے میاں ہکا بکا رہ گئے۔ "ارے تو کہاں؟" انھوں نے کہا۔ پھر قمرالدین کا حال بتایا کہ مارتے مارتے کوتوال نے ادھ موا کر دیا ہے اور اب جیل میں ہے۔ دو تین میوہ فروشوں کو بھی بتایا کہ جیل میں ہیں۔ میری تلاش اب بھی ہو رہی ہے اور بڑے میاں نے رائے دی کہ بھاگ جاؤ میں نے بھی کہا کہ اب لنگران میں ہرگز ہرگز نہ ٹکوں گا مگر آج رات تو یہیں رہوں گا۔ البتہ کل بھاگ جاؤں گا۔ بڑے میاں نے کہا نہیں تم ابھی بھاگ جاؤ۔ میں نے جو انکار کیا تو لگے بگڑنے کہ تو مجھے پھنسائیگا۔ میں نے غصے میں آکر جوان کا گلا دبایا تو آنکھیں نکل پڑیں پھانسی کے مزے آگئے۔ میں نے جو چھوڑا ہے تو ٹھیک تھے درست ہو کر لگے محبت کی باتیں کرنے اور رونے۔ مگر دراصل بڑا چھٹا ہوا بڈھا تھا میں نے کہہ دیا کہ "یاد رکھنا اگر میری لگائی بجھائی کی تو یہ سمجھ رکھو کہ جیل سے آکر پہلے تمھیں جہنم رسید کروں گا لیکن اگر سیدھے رہو گے تو میں تم سے کچھ نہیں مانگتا جو کچھ تھوڑا بہت لا کر دوں اسے اپنے مال کے ساتھ بیچ

ڈالنا۔ آدھا اس میں سے تمھیں دوں گا۔ جیسے عشیتر دیتا تھا...... میں جانتا تھا کہ بڑے میاں کو اپنی جان بڑی پیاری اور وہ ہرگز مجھے پولیس میں نہ پکڑوائیں گے۔ مگر بدقسمتی سے میں نے یہ نہ سوچا کہ میری سختی ان کے لئے ایک عجیب پوزیشن پیدا کر رہی ہے۔ ایک طرف میرا ڈر اور دوسری طرف یہ کہ اگر میں ان کے یہاں پکڑا گیا تو پولیس ان کی کیا گت بنائیگی ان کی خیریت اِسی میں تھی کہ وہ مجھے پکڑوا دیں۔

دوسرے روز میں سوچ رہا تھا کہ جاؤں مگر رُک گیا۔ تیسرے روز بھی رُک گیا کچھ سُستی سی آ گئی۔ چنانچہ اسی رات کا ذکر ہے کہ میری آنکھ غیر معمولی شور و پکار سے کھلی۔ ہر چہار طرف سے سرکاری سواروں نے مجھے پھر آ گھیر لیا تھا۔ "دغا" میں زور سے چلایا۔ "فریب!" اند بڈھے سے جوش میں آ کر بدلہ لینے پر تل پڑا۔ میں نے بڈھے کا گلا دبایا ہی تھا کہ سپاہیوں نے مجھے آ لیا مگر نہ تو ہتھکڑیاں ڈالیں اور نہ مجھے مارا بلکہ رسی سے ہاتھ باندھ کر لے چلے۔

جیسے ہی میں کوتوالی میں پہنچا ہوں کوتوال صاحب مُسکرا کر بولے "اخاہ! آیئے قبلہ چلیے آپ کو ظل سبحانی بلاتے ہیں۔" میں سمجھا کہ اب میری شامت آئی اور کوتوال صاحب نہ معلوم میرا کیا حال کریں گے جو مجھے "قبلہ" کہہ رہے ہیں۔ خدا اس ظالم سے بچائے میں نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "مجھے چھوڑ دیجئے۔ اب کبھی لنگر ان کا رُخ بھی کر جاؤں تو مار ہی ڈالئے گا۔"

کوتوال صاحب نے مُسکرا کر کچھ عجیب لہجہ میں کہا "پہلے جہاں پناہ سے تو مل لو۔" یہ کہہ کر موٹر والے کو آواز دی۔ موٹر آیا اور مجھے بٹھا کر اس میں سیدھے شاہی محل کی طرف لے چلے اب میں گھبرایا۔ میں نے ہاتھ جوڑ کر کوتوال صاحب سے کہا "خدا کے لئے مجھے چھوڑ دیجئے جہاں پناہ مجھے مروا ڈالیں گے۔ زندہ نہ چھوڑیں گے۔ خدا کے واسطے رحم کیجئے" مگر انھوں نے ایک نہ سنی چشم زدن میں موٹر قلعہ کے اندر داخل ہو گیا۔ میں

موٹر سے اترا، بلکہ اتار اگیا میرے پیر بھاری تھے اور کانوں میں ایک سناٹا تھا۔ کوتوال صاحب کو دیکھتے ہی دروازہ کے سپاہیوں نے کڑاک کر سلامی دی میں کمبختی سے سمجھا کہ میرے اوپر پل پڑے بدحواس ہو کر میرے منہ سے نکل گیا "ارے مار ڈالا!" کوتوال صاحب نے ایک کس کر ڈپٹ دی مجھے۔ "چلتا نہیں بدمعاش" میں تیزی سے ساتھ ہوا میرٹھیاں چڑھیں برآمدہ آیا، کمرہ میں پہنچا۔ "وزیر اعظم کا کمرہ! میری جان ہی تو نکل گئی۔ مرتا کیا نہ کرتا سپاہی کا ہاتھ جھٹک کر بھاگا میں جیسے توڑا کر بھاگا۔ "لینا" کوتوال صاحب نے کہا۔ میری حماقت تھی چاروں طرف سے سپاہی سنگینیں لئے نہ معلوم آسمان سے اتر پڑے۔ یا زمین سے اُگ آئے۔ "ہالٹ"۔ کر کے ایک سپاہی نے میرے سینے پر کندہ رکھ دیا، دوسرے نے سنگین آنکھوں کے سامنے نچائی یا میرے اللہ میرا اس دنیا میں کوئی مددگار نہیں ایک ذرا سے کیڑے کے یوں ہاتھ دھو کر پیچھے پڑے ہیں "زمین سخت آسمان دور" وہ حال میرا تھا پکڑ لایا گیا۔ کوتوال صاحب نے چپکے سے ایک مکا میرے رسید کیا جیسے کوئی چھپ کر کسی کو لڈو دے "بدمعاش" انہوں نے کہا "کیوں مرا جاتا ہے۔

بارگاہِ سلطانی

وزیرِاعظم کے سامنے کوتوال صاحب نے مجھے پیش کرتے ہوئے کہا "حضور وہ یہ ہے"

"میں نے کچھ نہیں کیا ہے" یہ کہہ کر میں نے وزیرِاعظم کے پیر پکڑ لیئے۔ کوتوال صاحب نے مجھے سیدھا کھڑا کر کے کہا "لنگران میں اس سے اوّل نمبر کا نہ تو کوئی اچکا ہے اور نہ چاچی ......"

حضور میں نے کچھ نہیں کیا۔ میں بے قصور ہوں۔ میری خطا معاف ہو.... میں نے کہا۔

وزیرِاعظم نے اپنی ناک پر سے عینک ہٹا کر ہاتھ میں لی اور کہا "چلیئے"

میں نے وزیرِاعظم کے پیر پکڑ لیئے اور سچ مچ رونا شروع کیا "حضور مجھے مت لے چلیئے ...... حضور مجھے معاف کیجئے ...... حضور میرے اوپر رحم کیجئے" مگر تو یہ کیجئے وہاں تو سب ہی سنگ خارا کے بنے تھے، بجائے رحم کے اس خونی کو میرے حال زار پر ہنسی آرہی تھی۔

"اب مرا کیوں جاتا ہے" یہ کہکر کوتوال صاحب نے مجھے ایک ٹھوکر دی اور جھٹکا دے کر کھڑا کیا اور دھکا دے کر آگے بڑھایا "چلتا بھی ہے کہ ...."

میں نے دیکھا کہ کوتوال صاحب کی خونی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔

بارگاہ معلیٰ کے پردوں کے پاس میں پہنچا ہوں تو میرے تن بدن میں داب سلطانی کی وجہ سے رعشہ تھا اور موت کی ٹھنڈک بیٹھی جا رہی تھی۔ جوانی کی موت بھیانک شکل میں سامنے نظر آ رہی تھی۔ ہر درخت سے میں خود اپنی لاش لٹکتے دیکھ رہا تھا۔ کڑاک کر نقیب نے ایک مہیب دونک کے ساتھ نعرہ مارا کہ میرا دل ہل گیا کہ کروا کیٹ "نگہ وار" کا سرا لایا۔ میرے ہوش و حواس زائل ہو چکے تھے۔ کوتوال صاحب اور وزیر اعظم نے مجھے جلالت مآب شاہ لنگران کے سامنے پیش کر دیا!!

رات کے گیارہ بجے ہوں گے، جب میری پیشی جلالتمآب کے سامنے ہوئی میں گھٹنوں کے بل جھک نہیں گیا۔ بلکہ گر پڑا اور ناک فرش زمین پر ڈر کے مارے رگڑی نہیں بلکہ گھس ڈالی۔ دربار خاص ہو رہا تھا۔ گنے چنے دو چار ارکان سلطنت بیٹھے تھے۔ جلالتمآب ایک تخت پر گاؤ تکیہ لگائے بیچوان سے دھواں نکال رہے تھے دبدبہ شاہی کا یہ عالم تھا کہ میں سر نہ اٹھا نہ سکا۔ کوئی دس قدم کے فاصلے پر میں سر نگوں تھا۔

"یہ ہے؟" جلالتمآب نے فرمایا۔ "بھئی دیکھیں تو ...... اس کا سر تو اٹھاؤ۔"

میری گردن پکڑ کر کوتوال صاحب نے سیدھا کھڑا کیا اور ادھر میں لگا سلام پہ سلام کرنے اور گڑگڑانے "میں ..... میں۔ حضور۔ میں۔ میں۔ میں ....."

"کیا میں میں لگا رکھی ہے۔ کھڑا ہو سیدھا۔" جلالت مآب نے شاہانہ وقار کے ساتھ ڈانٹا کہ میں سیدھا کھڑا ہو گیا۔ "چپ رہ" کوتوال صاحب نے کہا۔ "سیدھا کھڑا ہو۔" جلالت مآب نے سر سے پیر تک مجھے دیکھا۔ پھر دیکھا۔ ان کے بارعب چہرہ پر مسکراہٹ سی آئی اور وزیر اعظم اور کوتوال سے مسکرا کر ارشاد فرمایا۔

"واللہ" "پسلی پھڑک اٹھی نظرِ انتخاب کی"۔ بھئی لائے تو تم نمبری ہو۔ کیا کہنا ہے مگر اوصاف بھی تو معلوم ہوں"۔

کوتوال صاحب نے دست بستہ عرض کی "جہاں پناہ یہ وہی ہے جس نے شاہی باغ پر ڈاکہ ڈالا تھا"۔

میں نے پھر زمین پر ناک رگڑتے ہوئے رکھدی اور کہا "حضور میں نے نہیں ڈاکہ ڈالا مجھے معلوم تک نہیں"۔

"سیدھے کھڑے ہو کوتوال صاحب نے کہا اور پھر جلالت مآب نے کہا "اچھا! یہ وہ حضرت ہیں!"

"جہاں پناہ میں نہیں ہوں" میں نے پھر کہا۔ کوتوال صاحب نے پھر ڈانٹ پلائی اور کہا:۔ "علاوہ اس کے جہاں پناہ صحیح عرض کرتا ہوں کہ اس سے زیادہ موذی اس سے زیادہ پاجی اور اس سے زیادہ خطرناک لفنگا لنگران میں تو ہونا ممکن نہیں"۔

"جہاں پناہ" میں نے رو کر کہا۔ "بالکل غلط ہے حضور....."

"اب کی مرتبہ یہ بولے تو اس کی زبان کاٹ لینا.... چپ رہو.... خبردار" جلالت مآب نے اس طرح ڈانٹ کر کہا کہ میں سہم گیا "چپ کھڑے رہو" کوتوال صاحب نے ڈانٹ کر کہا۔ ورنہ یہ دربار شاہی ہے، ابھی ابھی زبان کاٹ لی جائے گی"۔ یہ کہکر کوتوال صاحب نے اپنا کلام جاری کیا:۔

".....تو جہاں پناہ یہ وہ شخص ہے جس کے اُچکے پن کے آگے میری زبردستی عاری ہے۔ یہ وہ شخص ہے کہ جو نہ تو حضور کے نام سے ڈرے اور نہ حضور کے جلادوں کی مار سے ڈرے۔ جہاں پناہ یہ وہ شخص ہے جس کے اُچکے پن اور لفنگے پن سے زمانہ

عاری ہوا۔ میں مارتے مارتے تھک گیا۔ آدمی کیا یہ تو بھوت ہے۔ بلا کی طاقت ہے۔ بلا کا مضبوط لوہے کا بنا ہے۔ چوٹ اس کے لگتی ہی نہیں۔ جہاں پناہ ذرا اس شہدے کے کارنامے سنئے۔"

یہ کہہ کر کوتوال صاحب نے میری تمام شرارتیں اور بدمعاشیاں ایک ایک کرکے بیان کرنا شروع کیں۔ جلالت مآب ہر عجیب وغریب شرارت پر اور بدمعاشی کے ذکر پر مسکرا کر میری طرف دیکھتے تھے اور کہتے تھے "خوب"! غرض کوتوال صاحب نے خوب خوب میری شکایت کی اور آخر میں کہا "جہاں پناہ کوئی ہفتہ ایسا نہیں گذرتا جو کوتوالی میں اس کی درجنوں شکایتیں نہ آتی ہوں اور یہ دو چار مرتبہ جوتوں سے نہ مارا جاتا ہو۔ کانسٹبل اپنے جوتے سے اس کو پیٹتے گھبراتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کوتوال صاحب ہمارے جوتے مُفت کے نہیں۔"

اس آخری جملہ پر جلالت مآب بے طرح ہنسے اور کوتوال صاحب سے کہا کہ ہم "تم سے خوش ہوئے اور اس کارگزاری پر تمہاری ترقی کریں گے اور پھر میری طرف اشارہ کرکے کہا۔ "اسے اِدھر لاؤ" کسی نے کہا اس کے پیر میلے اور بدن سے چیتھڑے لٹک رہے ہیں، تو جلالت مآب نے فرمایا کوئی نقصان نہیں۔ اتنے میں کوتوال صاحب نے ایک دم سے کہا جیسے کچھ بھول گئے تھے۔ "جہاں پناہ ایک عرض اور ہے"۔

"وہ کیا؟" جلالت مآب نے پوچھا۔

وہ یہ کہ گذارہ داروں میں سے ہے"۔

"ہیں" جلالت مآب نے تعجب سے کہا۔ "ہیں لنگران اعظم کی اولاد سے ہے! واہ واہ، واہ واہ! کیا کہنے ہیں اِس کھرپے کے!" پھر میری طرف متوجہ ہو کر بولے اِدھر

آؤ بیٹا۔" میں قریب آیا تو میری طرف دیکھ کر ایک قہقہہ لگا کر بولے "واللہ کیا کھرپا ہے مجھے غور سے دیکھ کر میرے باپ کا نام پوچھا پھر دادا کا نام پوچھا اور پھر ایک آدمی کی طرف دیکھکر کہا "اچھا اسے آدمی تو بنا لاؤ"

اب تک تو زبان کاٹنے کی دھمکی تھی، میں چپ تھا اب سمجھا کہ نہ معلوم کیا کارروائی میرے ساتھ ہو گی کیونکہ میں نے سنا تھا کہ جلالت مآب اپنے مجرموں کو طرح طرح کے سوانگ بنا کر سزا دیتے ہیں۔ چنانچہ میں نے عرض کیا "مجھے بولنے کی اجازت ہے۔"

"کیا کہتا ہے؟" جلالت مآب نے کہا۔

"جہاں پناہ میں بالکل بے خطا ہوں۔ میں نے کچھ ......"

"مت بکو...... لے جاؤ اسے آدمی بناؤ جلدی ...... جلدی ...."

چشم زدن میں مجھے چار چوبداروں نے ساتھ لیا، دوسرے کمرے میں سے ایک بغل کے کمرے میں لائے "خدا کے واسطے مجھے چھوڑ دو" میں نے رو کر چوبداروں سے کہا "کیا کرو گے میرے ساتھ۔"

"دو کانوں کے بیچ میں سر کریں گے ہم تمہارا" ایک بولا۔

دوسرے نے کہا "تمہاری مومیائی بنائیں گے"۔

تیسرا بولا "تمہارا اچار ڈالیں گے"۔

چوتھا بولا "تمھیں نہلا دھلا کر آدمی بنائیں گے"۔

"ارے رحم کرو میرے اوپر خدا کے واسطے مجھے چھوڑ دو" میں نے گڑگڑا کر کہا "میرے اوپر رحم!" مگر یہ سخت دل ہنس رہے تھے، اتنے میں ایک حجام آیا اور اس نے میرے بال کترنا چاہے۔ میں نے کہا "خدا کے واسطے مجھے چھوڑ دو۔ رحم کرو۔ میں بال

نہیں کٹواؤں گا مجھے جانے دو۔" بہت کچھ انھوں نے مجھے سمجھایا۔ مگر میں نہ مانا تو میری شکایت جہاں پناہ سے کردی گئی اور وہاں سے انھوں نے ایک سونٹا لے کر ایک موذی کو بھیجا اور اس نے بغیر کچھ سوال کئے ایک درجن ڈنڈے میرے بدن پر گن دیئے اور سر پہ ڈنڈا لے کر کھڑا ہو گیا۔ مار بری بلا ہے۔ میں روتا جاتا تھا اور بال کٹواتا جاتا تھا۔ ڈاڑھی میری نہایت ہی خوشبودار صابن سے بنائی گئی۔ اب میں چوں بھی نہ کر سکتا تھا۔ اس کے بعد مجھے حمام کرایا گیا۔ کپڑے نہایت ہی پاکیزہ پہننے کو دیئے جو ریشم کے تھے اور ایک بڑی قیمتی اچکن اور سر پہ باندھنے کو ایک قیمتی بنارسی صافہ دیا۔ عطر وغیرہ لباس پہنانے والے نے خوب سا مل کر کہا کہ "چلئے اب"

ہاتھ جوڑ کر میں نے سب سے کہا۔ "خدا کے واسطے تم لوگ چھوڑ دو آخر میرا کیا ہوگا کان میں ایک چوبدار نے کہا۔ "بادشاہ سلامت آپ کو داماد بنائیں گے"۔ یہ کہہ کر ہنسنے لگا اور میں نے اس ظالم کی صورت دیکھ کر کہا۔ "خدا کے واسطے مجھے چھوڑ دو۔

مرمت

قسمت تو دیکھئے کہ اب میری مرمت شروع ہوئی۔ کشاں کشاں مجھے جلالتآب کے پاس لے گئے انھوں نے بیٹھنے کو کہا تو میں ہاتھ جوڑ کر بیٹھ گیا وزیر اعظم اب اٹھکر میرے پاس آئے اور انھوں نے آڑ سے میرے ہاتھ میں اتنی اشرفیاں دیں کہ میں نے عمر بھر دیکھنا تو بڑی چیز ہے کبھی سنی بھی نہ ہوں گی اور چپکے سے میرے کان میں کہا۔ "یہ ایک سو ایک اشرفیاں ہیں۔ چھوٹی شہزادی بلند اقبالہا کے ساتھ ابھی تمہارا عقد ہوگا اور تم داماد ی میں لئے گئے ہو۔ لہذا ادب سے کھڑے ہو کر سامنے جہاں پناہ کے جاکر رومال پر یہ اشرفیاں رکھ کر دو زانو ہو کر سر جھکا کر پیش کردو۔ لو اٹھو جلدی۔

اب جناب میں سمجھا کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ میں نے سنا تھا کہ طرح طرح کے سوانگ بنا کر جہاں پناہ قتل کراتے ہیں اور خوب خوب مجرم کا مذاق اڑا کر سارے دربار ی خوش ہوتے ہیں۔ یا اللہ اب میں کیا کروں۔ میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور سمجھ گیا کہ یہ حضرت وزیر اعظم مجھے الو بنا کر جہاں پناہ کو خوش کر کے اپنی تعریف کرانا چاہتے ہیں۔ میں بھلا ایسا بیوقوف تھوڑی تھا۔ دل میں میں نے کہا اول مرنا آخر، اس طرح بے وقوف بن کر اند اور ہنسنے ہنسانے کا آلہ اور وزیر اعظم کا تختۂ مشق بن کر مرنا سخت حماقت ہے۔ میں کیوں نہ ایک مرتبہ اور خوشامد کر لوں یہ سوچ کر میں نے ایک دم سے جہاں پناہ

کو اشرفیاں دکھاتے ہوئے کہا
"جہاں پناہ یہ اشرفیاں دے کر نہ معلوم مجھ سے کیا بیہودہ باتیں کہہ رہے ہیں"
یہ کہتے ہوئے میں نے اشرفیاں ٹیک دیں اور ہاتھ جوڑ کر سر جھکا کر بولا "جہاں پناہ کوتوال صاحب کو مجھ سے زبردستی کی دشمنی ہے۔ میں بالکل بے خطا ہوں"۔
جہاں پناہ نے اس کے جواب میں ہاتھ سے مجھے لے جانے کا اشارہ کیا۔ تیزی سے مجھے وزیر اعظم دوسرے کمرے میں لے گئے اور ڈانٹ کر کہا۔
" بد نصیب تجھے کیا ہو گیا ہے۔ گھبراؤ مت تمہاری قسمت جاگی ہے۔ جلدی کرو۔ ابھی ابھی چھوٹی شہزادی کے ساتھ تمہارا عقد ہونے والا ہے"۔
میں جناب ان چکروں میں کب آنے والا تھا۔ میں نے ہاتھ جوڑ کر وزیر اعظم سے کہا "میں ایسا بے وقوف نہیں ہوں۔ مجھے مارنا ہے تو مار ڈالئے مگر میں بے قصور ہوں"
" ایسے یہ نہیں مانے گا"۔ یہ کہہ کر ایک موذی کو میری طرف اشارہ کیا۔ موٹے بید کے چار سٹرا کے میرے اوپر پڑے ہیں کہ طبیعت ہرن ہو گئی۔
سیدھا سیدھا اشرفیاں لے کر جلالت مآب کے سامنے پہنچا۔ مگر رو رہا تھا۔ سامنے نظر کی تو وہی موذی چوبدار بید گھما گھما کر مجھے خبردار کر رہا تھا۔ دھمکی الگ دے رہا تھا مارنے کی۔ اشاروں ہی اشاروں میں کہہ رہا تھا کہ ٹکڑے اڑا دوں گا۔
چار و ناچار میں بڑھا آگے اور نذر پیش کی۔ مگر نظر خود میری اسی خونی چوبدار کی طرف تھی جو بید نچا نچا کر نہ معلوم کیا کیا وہیں سے ہدایت کر رہا تھا۔
مسکرا کر جلالت مآب نے نذر قبول کی۔ مگر میری نظر مستقل طور پر اس مرکھنے چوبدار کی طرف تھی۔ جلالت مآب نے میری طرف دیکھ کر کہا "کیا ہے"

دو کر میں نے کہا۔"جہاں پناہ میں بے قصور ہوں، وہ دیکھیئے مجھے ٹکڑے اڑانے کو کہتا ہے۔"

جہاں پناہ نے کوئی توجہ نہ کی بلکہ مجھے قریب بلا کر مسکرا کر میری پیٹھ ٹھونکی اور فرمایا۔"واہ رے میرے کھرپے ..... کھرپے بہادر ....." ہنس کر جلالتمآب نے کہا۔"ہم نے تمھیں نواب کھرپا بہادر کا خطاب دیا۔" یہ کہکر پھر میری پیٹھ ٹھونکی۔

اس کے بعد وزیر اعظم حضرت جلالت مآب کے داہنی طرف اجازت لے کر کھڑے ہوئے اور فرمایا۔"حضور شہنشاہ زماں نے ازراہِ ذرّہ نوازی نواب کھرپا بہادر کو اپنی غلامی سے فرازا ہے اور چھوٹی شہزادی صاحبہ بلند اقبالہا یعنی شہنشاہ زادی نازش جہاں بیگم صاحبہ دام اقبالہا کی نسبت نواب کھرپا بہادر سے قرار فرمانے کا حکم فرمایا ہے۔"

سب لوگ ایک دم سے کھڑے ہو گئے اور گھبراہٹ میں میں بھی کھڑا ہو گیا اور لوگوں نے پکار کر کہا۔"مبارک سلامت! مبارک سلامت!" اور ادھر میں خطرہ سے آگاہ ہو کر چلایا۔ گڑگڑا کر۔"جہاں پناہ مجھ سے کوتوال کو دشمنی ہے۔ میں بے قصور ہوں۔"

"چپ ہو بدمعاش۔" گرج کر شان ملوکیت سے اس زور سے مجھے جلالت مآب نے ڈانٹا کہ میں سہم گیا۔ ایک سناٹا سا ہو گیا۔ آنکھیں نکال کر جہاں پناہ نے کہا۔

"اب کے اگر بدتمیزی کی تو زندہ چنوا دوں گا۔" پھر وزیر اعظم صاحب کی طرف رخ کر کے ڈانٹ کے بولے۔"تم سے کہا کہ اچھی طرح اسے سمجھا دو۔ ذرا سی بات ہے۔"

ہاتھ جوڑ کر وزیر اعظم نے سر نیچا کر کے کہا۔"حضور ہر طرح سمجھا چکے کچھ پیش نہیں جاتی عقل نہیں کام کرتی۔ کیا کریں اور کیا نہ کریں۔"

"کر دیں" جہاں پناہ نے کہا۔"ہمارا بڑا ابید منگواؤ اور اگر اب یہ بدمعاش کچھ

گستاخی کرے تو اس کی بُری طرح خبر لو"۔ فوراً ایک موٹا سا لچکدار بید آیا اس کی سونے کی موٹھ تھی اور سونے ہی کی نیچے کی شام لگی ہوئی تھی۔ میں پھر سناٹے میں آ گیا اور مبارک سلامت ختم ہونے کے ساتھ ہی ساتھ جو سلام اس اعلان نسبت کے بعد ہی مجھے جہاں پناہ کی خدمت میں عرض کرنے تھے وہ مجھ سے اب کرائے گئے۔ میں پھر بیٹھ گیا سلام وغیرہ کر کے۔

اتنے میں ایک چوبدار نے عرض کی "جہاں پناہ قاضی صاحب حاضر ہیں" جہاں پناہ نے اشارہ فرمایا۔ میں بت بنا سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ قاضی صاحب آئے اور مجرا اور آداب بجا لانے کے بعد دعائیں دے کر بیٹھ گئے۔

جہاں پناہ نے قاضی صاحب سے فرمایا "میری دانست میں بادشاہ وقت اپنی لڑکی کا نکاح بغیر گواہوں کے کر سکتا ہے"۔

جہاں پناہ درست فرماتے ہیں"۔ قاضی صاحب نے دست بستہ عرض کیا۔

"تو پھر بسم اللہ۔ میں اپنی چھوٹی بیٹی شہزادی نازش کو نواب کھڑپا بہادر کے عقد میں بعوض سوا دو کروڑ زرِ سرخ دیتا ہوں۔ بسم اللہ....."

اب میں ذرا اس مذاق کی اہمیت پر چونکا عقل وغیرہ سب رخصت ہی کر چکا تھا اور گم سم تھا کہ قاضی صاحب نے نہ معلوم مجھ سے کیا کیا پڑھوا کر کہا... شہزادی نازش جہاں بیگم بلند اقبال کو آپ نے اپنے عقد میں بعوض سوا دو کروڑ زر سرخ لینا قبول کیا؟"

اب میں سمجھا کہ کیا مطلب ہے کوئی بہانہ تلاش کرنا تھا سو مل گیا۔ ادھر میں کہوں کہ ہاں میں نے شہزادی کو عقد میں لینا قبول کیا اور ادھر میری کھال کھنچوالی جائے اس ناقابل بیان اور ناقابل معافی گستاخی کی پاداش میں گھبرا کر خاموش رہا اور ادھر قاضی صاحب

کا تقاضا۔ ادھر وزیر اعظم نے کان میں کہا کہ جلدی سے "قبول کیا" کہہ دو میں نے مڑ کر دیکھا کیونکہ مجھے شبہ تھا کہ جلاد ننگی تلوار لئے کھڑا ہوگا کہ ادھر میں کہوں کہ "قبول کیا" اور ادھر گستاخی کی مجھے سزا ملے۔ میں نے بھی اب کے نئی چال چلی اور ایک دم سے کھڑا ہو کر کہا "جہاں پناہ۔ اس بندہ کی مجال نہیں جو ہوں کہہ کر سر تن سے قلم کرائے ...... در اصل میں بالکل بے خطا ہوں ......"

بس میرا یہ کہنا تھا کہ جہاں پناہ نے جلال میں آ کر کہا ہے کہ لینا اس بدتمیز کو "بجلی کی طرح وہی موذی مجھے جھپٹ لے گیا اور تیسرے کمرے میں لے جا کر دو آدمیوں نے مجھے دھنکنا شروع کیا۔ ادھیڑ کر اور سونت کر ڈال دیا وزیر اعظم آ گئے اور مجھے سمجھایا کہ "بدبخت نوابی کا خطاب پا کر پٹ رہا ہے جہاں پناہ کی دامادی سے انکار کرتا ہے ابھی ابھی زندہ در گور کرا دیں گے۔ چلو جلدی اور خبردار جو تم نے انکار کیا ورنہ جان کی خیر نہیں" جلدی جلدی میرے کپڑے صاف درست کر دیا جیسے کہ میں پٹا ہی نہیں قاضی صاحب نے مجھ سے پھر وہی سوال کیا۔ میری زبان بند ہو گئی کنکھیوں سے میں نے دیکھا کہ چوبدار بید ہلا رہا ہے۔ کان میں وزیر اعظم نہ معلوم کیا کیا کہہ رہے ہیں اور جہاں پناہ کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے ہیں۔

"شاہ لنگران کی دامادی سے انکار کرتا ہے" اگر ج کر جہاں پناہ نے کہا "قبول کیا" میرے منہ سے از خود نکل گیا۔ قاضی صاحب نے تکرار کر کے معاملہ پختہ کیا اور میں نے چاروں طرف دیکھ دیکھ کر کسی طرف سے تلوار تو نہیں پڑے گی تکرار کا جواب دیا قاضی صاحب نے مبارکباد عرض کر کے مجھ سے کہا "جہاں پناہ کی خدمت میں آداب بجا لاؤ" میں نے جھک کر سلام کیا وزیر اعظم نے کھڑے ہو کر مرحمت خسروانہ کا اعلان کیا "یعنی اکیاون ہزار روپیہ سالانہ کی جاگیر

ڈھائی ہزار روپیہ ماہوار جب خرچ مقرر کیا گیا۔ مجھ سے پھر کہا کہ سلام کرو۔ میں نے پھر جھک کر سلام کیا۔

جہاں پناہ نے پاس بلا کر دست شفقت پیٹھ پر پھیر کر کہا "سلامی کی توپیں سر کی جائیں۔ چشم زدن میں قلعہ کے توپ خانے کی بلارگوں سے دھواں دھوں ہونے لگی۔ادھر میں نے دل میں کہا "کیا واقعی یہ سب کچھ مذاق نہیں"۔ یہ تو سب کچھ نکاح سا ہو گیا لیکن شاید مجھے موقع ملے اور میں بھاگ جاؤں"۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ جہاں پناہ نے ایک خواجہ سرا سے اشارہ کر کے کچھ کان میں کہا اور مجھ سے کہا جاؤ۔

"کہاں لے چلتے ہو مجھے؟" میں نے خواجہ سرا سے پوچھا۔ جب دوسرے کمرے سے نکل کر ہم تیسرے کمرے میں آئے۔

"حضور والا جہاں پناہ ہی نے حکم دیا ہے کہ آپ کو زنان خانہ کی خواصوں کے سپرد کروں"۔

"کیوں ؟" میں نے پوچھا۔

خواجہ سرا مسکرا کر بولا "کیوں"، "حضور والا اسلئے کہ آپ کو وہ آپکی بیگم صاحبہ کے پاس پہنچا دیں"۔

"کون بیگم صاحبہ ؟"

"گستاخی معاف" مسکرا کر خواجہ سرا بولا "حضور اتنی مار کھائی اور عقل نہ آئی۔ کیا کچھ اور مار کھانے کی صلاح ہے ؟"

"میرے یار خواجہ سرا" میں نے کہا۔ "تم مجھے چھوڑ نہ دو"۔

"کیا کیجیے گا آپ ؟"

میں اس طرف سے ہو کر پھاند کر نکل جاؤں گا" میں نے کہا "میرے یار ایسے میں تو موقع ہے اور میں سچ کہتا ہوں کہ میری ذرہ بھر خطا نہیں۔ تم سچ بتاؤ کہ بعد میں مجھے کیا چھوڑیں گے؟"

"اب آپ چلتے ہیں یا نہیں؟ پھر بلاؤں اسے..... ڈنڈے والے کو۔

"لو یار چلتا ہوں نا" یہ کہکر میں کمرے در کمرے ہر کمرے کی آرائش کو دیکھتا حیران ہوتا چلا۔ نہ معلوم کتنے کمرے پار کئے کہ سامنے ایک بڑا بانات کا سرخ پردہ نظر آیا خواصوں کی سردار نے مجھے جھک کر سلام کیا اور اندر لے گئی۔

"بڑی بی" میں نے کہا۔

"کیوں؟" انھوں نے کہا ارشاد!"

"کہاں لے جاتی ہو تم مجھے؟"

اس کے جواب میں اس نے ایک آواز دی اور ایک جھرمٹ کا جھرمٹ حسین اور نوعمر لڑکیوں کا مجھ سے آکر چمٹ گیا۔ یہ سب کی سب مجھے لے کر چلیں۔ دو کمرے پار کرکے ایک دروازہ کے پاس مجھے لاکر کھڑا کر دیا اور پردہ ہٹا کر جو مجھے کمرہ دکھایا ہے تو میں دنگ رہ گیا یا اللہ میں کہاں ہوں ایک چلبلی سی حسین و جمیل چھوکری نے مجھ سے کہا" وہ دیکھئے طلائی مسہری ہے جس پر پردے پڑے ہیں، چھوٹی شہزادی صاحبہ اس میں دلہن بنی بیٹھی ہیں آپ تشریف لے جائیے مگر قبل اس کے کہ آپ مسہری کے پردے کو ہاتھ لگائیں۔ مقام ادب کی مناسبت سے بیگم صاحبہ کو پکار کر عرض کیجیے گا کہ سلام عرض ہے اور سات سلام فراشی پیش کیجیے گا۔ بعد میں پردہ کو ہاتھ لگائیے گا۔" یہ کہکر اس نے کہا "جائیے۔"

میں نے اس کی صورت دیکھی اور دل میں کہا "حرافہ ہے" اب میں اصلیت کو تاڑ گیا

خدا کی پناہ! رئیسوں اور نوابوں کے چونچلے اور مذاق تو دیکھئے میں قطعی سمجھ گیا کہ ہو نہ ہو اس مسہری میں کوئی خونی سپاہی یا جلاد چھپایا گیا ہے کہ ادھر میں آواز دوں اور ادھر وہ تڑپ کر نکلے اور میرا سر قلم کرے۔ میں نے کچھ سوچا عجیب ششدر پنج میں تھا۔ کبھی خیال گذرتا کہ واقعی میرا نکاح ہو گیا ہے اور کبھی خیال آتا کہ کہیں ایسا بھی ہوا ہے بادشاہوں کے لطیفے اور مذاق ہیں خط میں نے بیڑھب کی کتی کو توال بدمعاش نے خوب خوب جڑ دی۔ لہذا بادشاہ سخت سزا دیتا ہے اور اپنی دلبستگی مدنظر رکھکر یہ سوجھی ہے۔ "میں تو نہ جاؤں گا" میں نے صاف صاف اس چھوکری سے کہہ دیا اس پر سب کی سب میرے پیچھے پڑ گئیں اور لگیں مجھے گھسیٹنے میں ان لونڈیوں کے گھسنے میں بھلا کب آنیوالا تھا۔ جھٹکا میں نے ان سب کو ادھر ادھر اتنے میں وہی ہیڈ خواص بڑھیا پہنچی اور اس نے پوچھا کہ جہاں پناہی نے دریافت فرمایا ہے کہ آپ کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں!

"نواب صاحب کمرے ہی میں نہیں جاتے"! چھوکریوں نے کہا اور وہ بڑھیا بولی "حضور تشریف لیجائیں نا!"

میں نے کہا "بڑی بی تم مجھے بیوقوف بناتی ہو کیوں میری جان کے پیچھے پڑی ہو اول تو اس کمرے میں شہزادی صاحبہ ہی نہیں اور اگر ہیں تو میری جان کی خیر نہیں"!

بڑی بی نے لاکھ سمجھایا مگر میں نہ مانا اور یہ چلی گئی میں چھوکریوں سے نبٹ ہی رہا تھا کہ دیکھتا ہوں جہاں پناہ مجسم صورت جلال بل کھاتے پھنکارتے انگلش ڈریڈناٹ کی طرح دندناتے چلے آ رہے ہیں۔ ہاتھ میں ان کے بید ہے آتے ہی مجھے روئی کے گالے کیطرح دھن کر ڈال دیا "نامعقول بھاگنا چاہتا ہے۔ میری عزت لینے کا خواہاں ...... بھاگنا چاہتا ہے۔ نکاح کے بعد... مار ڈالونگا"۔ وہ تو یہ کہئے کہ چھوکریاں بیچ میں آ گئیں پٹتے پٹتے میں دھکیل کر خالی گھڑے کی طرح انھوں نے حجلہ عروسی میں لڑھکا دیا۔ "جان سے مار ڈالونگا" یہ کہتے ہوئے جہاں پناہ چلے گئے۔

"مار ڈالیں گے جہاں پناہ"! وہی چلبلی چھوکری بولی "جاؤ کرو سلام۔ جاؤ"! یہ کہکر مجھے اندر دھکیل دیا۔ "اگر نہیں جائیں گے آپ تو یاد رکھئے کہ ......"

حُجلۂ عُروسی

اب میں نے سوچا کہ بالفرض اس مسہری میں اگر کوئی جلاد بھی ہے تو میں بھی کوئی مردہ تو ہوں نہیں۔ جھپٹ ہی تو پڑوں گا۔ مگر مجھے اب یقین ہو چلا تھا کہ شاید شہزادی صاحبہ ہی ہوں اس میں کہیں میرا نکاح واقعی نہ ہو گیا ہو لہٰذا کچھ تو مجبوری اور کچھ جھگڑا ختم ہونے کی نیت اور کچھ یہ خیال کہ آخر یہ معّمہ کیا ہے میں بڑھا مسہری کی طرف اور قریب پہنچ کر اب میں نے کمرہ میں ادھر اُدھر نظر ڈالی۔ میں نے عمر بھر ایسا کمرہ کا ہے کو دیکھا تھا۔ بجلی کے جھاڑ فانوس کس کس آرائش کے بیلوں اور درختوں کی طرح سجے ہوئے روشن تھے۔ ساری چھت سُرخ مخمل کی تھی اور جگہ جگہ سنہری پڑیاں روش کی طرح پھیلی چلی گئی تھیں جن میں سے برقی قندیلیں اور آویزے ہزار در ہزار لٹک رہے تھے دیواروں پر منقش نچی کاری سراسر چھت سے لے کر زمین تک ایسی ہو رہی تھی کہ آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں پھر جگہ جگہ سنہرا رنگ روپہلے کے ساتھ وہ بہار دکھا رہا تھا کہ ایک چمک تھی کہ آنکھوں پر مسلّط تھی۔ فرش سارا کا سارا بہترین قالینوں کا تھا اور سارے کمرے میں چھوٹی چھوٹی میزیں تپائیاں گلدستے چنے ہوئے تھے زرنگار تکیہ اور مسندیں جگہ جگہ آراستہ تھیں، چھوٹی چھوٹی چینی کی میزوں پر خوان پوش ڈھکے ہوئے تھے۔ نہ معلوم کیا کیا چیزیں رکھی تھیں اس کے بعد خاص مسہری کو میں نے دیکھا ایک زرنگار گنبد تھا جس کی سونے کی چھتری تھی اور تمام

ڈنڈے مسہری کے سونے کے تھے جگہ جگہ ہر ستون پر آویزے اور جواہرات لٹک رہے تھے
میں نے ایک سرسری نظر اس کمرے پر ڈالی اور میں چپ کھڑا ہو گیا کیا کروں اور کیا نہ
کروں کہ وہی نوجوان خواص میرے پہلو میں آئی اور چپکے سے کہا کہ "جہاں پناہ آیئے"
یہ کہکر وہ سائے کی طرح غائب ہو گئی میں نے دیکھا کہ چاروں طرف سناٹا تھا۔ کمرے
کے اندر ذرہ بھر سردی نہ تھی کیوں کہ چاروں کونوں پر برقی آتش دان روشن تھے۔
میں نے ہمت کر کے مسہری کے سامنے کھڑے ہو کر کہا۔

شہزادی صاحبہ بلند اقبالہا کی خدمت اقدس میں یہ خادم سلام عرض کرتا ہے"۔
یہ کہکر میں نے سات سلام مسہری کو کئے۔ اس کے بعد میں نے کہا "اس خادم کو اجازت
قدمبوسی مرحمت فرمائی جائے" یہ کہکر میں چپ کھڑا رہا۔ مگر میں کھڑا اب اس طرح سے
تھا کہ اگر کوئی ایک دم سے نکلے تو میں قریب کی تپائی لے کر اس کا سر پھاڑ دوں جب
کوئی جواب نہ ملا تو میں نے اب ہمت کر کے داہنے ہاتھ سے آبنوس کی تپائی کا پایہ پکڑ
کر حملہ کی تیاری کی اور دوسرے ہاتھ سے مسہری کا پردہ چھوڑ کر سات سلام مسہری
کو اور کئے، پھر خاموشی ہو گئی مجھے یقین سا ہوا کہ ضرور عورت کی آواز ہے مگر احتیاطاً پھر
تپائی حربہ کے لئے مضبوطی سے پکڑی اور پردہ پکڑ کر ہٹایا ہی تھا کہ آواز آئی کون؟" میں
نے کہا" میں ہوں آواز آئی کڑک کر۔ میں کون ہے" اب میں نے پہچان لیا کہ زنانی آواز ہے۔
مگر تپائی میں نے پھر بھی نہ چھوڑی اور پردہ کو ذرا اور اونچا کیا کہ آواز آئی :۔

"یہ کون گستاخ ہے"!

ایک عطر کا بھبکہ میرے دماغ میں پہنچا۔ "نامعقول گستاخ" کہہ کر تڑپ کے شہزادی
نازش بیگم نے اس زور سے میرے منہ پر بڑے سے خاصدان کا ڈھکنا مارا ہے کہ تپائی میر

ہاتھ سے چھوٹ پڑی اور میں گڑبڑاہٹ میں گر پڑا اور وہ برق و رعد کی طرح چمکتی اور گرجتی نکلی۔ ڈانٹ کر شہزادی نے کہا "نامعقول! ناہنجار! گردن زدنی تو کون بلا ہے؟" یہ کہکر شہزادی اپنے پورے جلال کے ساتھ تن کر بے حجابانہ کھڑی ہوگئی۔ خدا کی پناہ! وہ حسن لاثانی اور جاہ و جلال کہ میری نظریں جھک گئیں ڈانٹ کر انھوں نے کہا۔ گستاخ نامعقول نکل جا یہاں سے نکل نکل یہاں سے گنوار گستاخ۔"

میں سر پر پیر رکھ کر بھاگا واللہ ڈر کے مارے کانپ رہا تھا۔ باہر کمرے کے آیا ہی ہوں کہ خواصوں نے مجھ سے کہا کہ کیا ہوا؟ میں نے اپنا لہولہان چہرہ دکھایا اور کہا کہ شہزادی صاحبہ نے مجھے نکال دیا۔

میں باتیں کر رہی رہا تھا کہ ایک خواص ہانپتی کانپتی دوڑی آئی کہ جہاں پناہ آگ بگولہ بنے آرہے ہیں یہ سنا میں نے اور اب اندر کمرے کے گھس کر میں نے بہ نظرِ احتیاط دروازہ بند کرلیا کہ جہاں پناہ کہیں خبر نہ لے ڈالیں۔ اب مجھے یقین ہو گیا کہ ضرور میری شادی ہوگئی ہے۔ شہزادی صاحبہ سے ورنہ خواب تو ضرور ہی دیکھ رہا ہوں۔ پھر میں آیا مسہری کے پاس اور اب کی مرتبہ میں نے پردہ اٹھایا مسہری کا۔

"تڑپ کر شہزادی صاحبہ نکلیں ڈانٹتی گرجتی ہوئی" "نامعقول۔ ناہنجار ٹھہر تو جا"۔ یہ کہہ کر انھوں نے لیا جوتا۔

اب میں نے سوچا کہ یوں کام نہ چلے گا۔ چنانچہ میں نے کہا "جناب شہزادی صاحبہ"......

"نامعقول......" انھوں نے تن کر کہا۔ "نکل یہاں سے"۔

"میں نہیں جاسکتا......نہیں جاسکتا......"

وہ جوتا لے کر بڑھیں۔ لاحول ولا قوت میں نے کہا دل میں جورو کی جوتیاں

جیسے ہی انھوں نے مجھے مارا میں نے ہاتھ پکڑ لیا ان کا اور ڈانٹ کر کہا" باہر جاؤ۔ تو جہاں پناہ مارتے ہیں۔ اور اندر آپ"۔

"نکل یہاں سے" شہزادی صاحبہ نے کہا تو ہے کون؟"

"حضور والا" میں نے خوشامدانہ لہجہ میں کہا" واللہ میں شاید آپ کا شوہر ہوں اور ہر گز ہر گز یہاں سے نہ جاؤں گا باہر مجھ پر مار پڑ رہی ہے اور اندر آپ مارتی ہیں میرا عقد بھی آپ سے ہو چکا۔ غصہ کو تو تھو کیئے اور صاف صاف بات چیت کیجیئے۔ میں آپ کا شوہر ہوں۔ آپ مجھے ناپسند کریں تو خدا کے واسطے بعد میں نکال دیجیئے گا۔ مگر اس وقت مجھے نکالا تو میری موت آجائے گی"۔

میں نے اتنا کہہ کر شہزادی صاحبہ کی طرف دیکھا بد قسمتی یا خوش قسمتی سے ان کا غصّہ فرو ہو رہا تھا اور حجاب غالب آرہا تھا۔

"تم نکل جاؤ یہاں سے" انھوں نے مجھ سے کہا۔

"نہیں جا سکتے ہم" میں نے ذرا بلند آواز سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"نکل جاؤ یہاں سے" انھوں نے کچھ پریشان ہو کر کہا۔

"ہر گز نہیں"۔ میں نے کڑک کر کہا" نہیں جا سکتے ہم جی"۔

"جاؤ یہاں سے" کچھ دبی آواز میں شہزادی صاحبہ نے "پسپائیت" کے عالم میں کہا۔

"کس کا آنا کیسا جانا؟" میں نے کڑک کر کہا" ہر گز نہیں۔۔۔۔۔ یہ کہہ کر جو دو قدم آگے بڑھا ہوں تو کس صفائی سے شہزادی صاحبہ مسہری میں غڑاپ سے غائب ہوئی ہیں کہ بیان سے باہر"۔ وہ مارا اناڑی کو" میں نے دل میں کہا۔

میں نے پردہ اُٹھا کر جو دیکھا تو عقل دنگ رہ گئی! وہاں بھلا رعونت مآب و تمکنت مآب اور پر جلال شہزادی صاحبہ کہاں! وہاں تو سُرخ رنگ کی زر نگار شال کی گٹھڑی رکھی تھی یا بیر بہوٹی!!

"شہزادی صاحبہ بلند اقبال! میں نے پکار کر کہا۔

جواب ندارد۔

شہزادی صاحبہ دام اقبالہا و حشمتہا وغیرہا! مگر جواب ندارد۔

یا میرے اللہ کیا اسی شال میں شہزادی صاحبہ بند ہیں! بیر بہوٹی کو تو دیکھ بھال کر پتہ بھی چل جائے کہ منہ کدھر ہے۔ بخدا یہاں ادنیٰ شال کی گٹھڑی تھی ایک، کہ ادھر..... جھانکوں ادھر جھانکیں مگر نہ سر کا پتہ نہ پیر کا! بہت کچھ جھنجوڑا! بہت کچھ کندھا پکڑ کر ہلایا مگر جواب ندارد۔

گربہ کشتن

اب میں نے دیکھا کہ شہزادی صاحبہ تو ہار گئیں۔ دروازے بند ہیں۔ لہذا پٹنے کا تو اب خطرہ رہا نہیں۔ سامنے نظر پڑی چھوٹی چھوٹی میزوں پر جن کے اوپر خوان پوش ڈھکے ہوئے تھے۔ کوئی مزے دار چیز ہوگی اسمیں کھانے کی! مجھے بھوک لگ رہی تھی۔

میں چلا اس طرف کہ ایکدم سے شہزادی صاحبہ کے جوتے پر نظر پڑی ہیرے جھلمل جھلمل کر رہے تھے۔ میں ایکدم سے رک گیا۔ شہزادی صاحبہ کی طرف دیکھا وہ اسی طرح بے جان گٹھری بنی ہوئی تھیں ایک چادر انھیں اڑھا دی مسہری کا پردہ ڈالدیا اور اب میں نے جناب غور سے اس قیمتی جوتے کو دیکھا۔ اس میں طرح طرح کے جواہرات ٹکے ہوئے تھے۔ سب سچے ہوں گے میں نے دل میں کہا اور اب یہ سوچا کہ شادی تو میری شاید ہو گئی ہے مگر کچھ عقل کام نہیں کرتی کچھ ٹھیک نہیں معلوم کیا ہو کیا نہ ہو۔ اس جوتے کو لیکر اگر بندہ صفائی کے ساتھ اڑ جائے تو کیا کہنے ہیں میں نے پھر جوتا غور سے دیکھا۔ انگلی سے بیچ کا بڑا ہیرا دیکھا۔ بڑی کوشش کر کے اسے اکھیڑ لیا اور انٹی میں مضبوطی سے کس لیا کہ داشتہ آید بکار۔ اگر بھیا نہ پھوند کر نکل گیا اور کوئی افتاد پڑی تو کام آئیگا۔

میں ہیرا نوچ کر سیدھا چھوٹی چھوٹی میزوں کی طرف پہنچا۔ یہ قالینوں کا.... بڑے بڑے اون کے قالینوں کا فرش بھی کس قدر واہیات ہوتا ہے۔ دھگڑ گرنے سے

بجا۔ خوان پوش کو دیکھا تو اس میں سچے موتی لگے تھے۔ ایک تو بہت بڑا تھا۔ میں نے بلا تکلف اس کو بیچ سے توڑ کر احتیاط سے رکھ لیا ہے تب جا کر خوان پوش ہٹایا ہے دیکھتا ہوں کہ کھانے کی وہ چیزیں رکھی ہیں جو عمر میں کبھی میں نے سنی بھی نہ ہوں گی واللہ ریشم اندر... کلابتون کہیئے، خوب ڈٹ کر کھایا۔ کھانے کے بعد میں اس امر پر غور کر رہا تھا کہ اے کاش یہ چاندی کے برتن اور سونے کی نمکدانیاں میں کسی طرح ساتھ لیکر پھاند پھوند کر محل سے نکل جاتا کیونکہ دل بول رہا تھا کہ شادی تو ہو گئی، مگر کچھ جھگڑا اس میں ضرور ہے میں اسی طرح مشغول تھا کہ میں نے کنکھیوں سے دیکھا...... میں نے دیکھا کہ شہزادی صاحبہ مسہری کے داہنی طرف سے سر نکالے نہایت ہی خفیہ طریقے سے جھانک رہی ہیں دل میں میں نے کہا کہ پکڑ لوں اسے میں ایک تصویر کو دیکھنے میں مشغول تھا، سرکتا جاتا تھا۔ بڑی احتیاط سے شہزادی صاحبہ کو کنکھیوں سے دیکھتا بھی جاتا تھا شہزادی صاحبہ اسی طرح جھانک رہی تھیں یہ سوچ کر کہ میں انھیں نہیں دیکھتا۔ میں بڑھتا بڑھتا آڑ میں پہنچا۔ ابھی دور تھا ایک دم سے لائم غالیچوں میں شیر کی طرح جھپٹ کر بے خبری میں شہزادی صاحبہ کی میں نے گردن پکڑ لی۔ ایک دبی ہوئی چیخ ان کے منہ سے نکلی کہ میں نے ان کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹ کر قالین پر رکھ دیا۔ وہ مسہری میں جانیکے لیے مجھ زور لگانے لگیں تو میں نے ذرا ڈانٹ کر کہا اب میں تمھیں بے طرح ٹھوکوں گا.. بیٹھیے سیدھی.... دیکھو ادہر .... ہماری طرف .... جواب دو ہم جو پوچھیں .... زندگی سے عاری ہیں ہم.... ویسے ہی موت ہمارے سامنے ہے.... بس .... بس لے..... اب میری باتوں کا تم جواب دو ..... ورنہ......"

شہزادی صاحبہ کو میں نے قابو میں کر کے سیدھا بٹھایا وہ شرم کے مارے مری جارہی

تھیں لیکن جیسے ہی میں نے "ورنہ" کہا ایک دم سے وہ بل کھا گئیں۔ اللہ رے تمکنت حجاب کو رخصت کرکے انھوں نے بگڑ کر اپنا سر سیدھا کرکے کہا "ذرا تمیز سے" بخدا ایں سن سے ہوگیا۔ کیونکہ شہزادی صاحبہ میں حسن و جمال کے ساتھ ساتھ اپنے والد بزرگوار کا دبدبہ رعب اور جلال اس طرح سے تھا کہ بس چتون چتون سے ملالو۔ میں نے جھٹ سے جھک کر سلام عرض کرنا شروع کئے...." اور بولا میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں آپ تو خود گڑبڑ کر رہی ہیں..... آپ کو کیا معلوم میرے اوپر کیا مصیبت آئی ہے۔"

یہ کہہ کر جو میں ہاتھ باندھ کر سیدھا کھڑا ہوا ہوں تو معلوم ہوا کہ گویا خود آقائے لنگران کے سامنے کھڑا ہوں۔ میں بیٹھنے لگا کہ اطمینان سے بیٹھ کر باتیں کروں گا۔ شہزادی صاحبہ تو اب میرے اوپر حاوی ہو رہی تھیں فوراً بولیں مگر قدرے ملائمت سے "بغیر اجازت نہیں بیٹھنا چاہیئے۔"

"گستاخی معاف" میں کہہ کر ذرا رکا اور پھر سلام کرکے بیٹھ گیا دل میں میں نے کہا کہ واللہ یہ چھوکری تو بڑی تیز ہے ابھی ابھی تو اس کی گردن دابی تھی اور لگی رعب جتانے خیر اس کو ٹھیک کردوں گا اگر واقعی شادی ہوگئی ہے تو یہ جورو اپنے قابو کی نہیں بغیر مارے کوٹے یہ رستے پر نہ آئے گی۔ خیر میں بیٹھ گیا اور اب میں نے عرض کیا۔

.... جناب شہزادی صاحبہ .... میں غریب آدمی ہوں مگر خود لنگران اعظم کی اولاد میں سے ہوں۔"

ایک دم سے شہزادی صاحبہ نے سخت تعجب کا اظہار کیا کہ جیسے کچھ ان کو شک ہے
"جی ہاں ...." میں نے کہا "لنگران اعظم کی اولاد سے ہوں ....." گذارہ دارو ں

میں ہوں مگر ڈیڑھ روپیہ گذارہ میں کیا گذر چلتی۔ محنت مزدوری کرتا پھرا... اب ایک دم سے پکڑلایا گیا میں سمجھا کہ میں مارا جاؤں گا اور میرے ساتھ مذاق ہو رہا ہے۔

یہ کہکر میں نے ساری کیفیت دربار کی بیان کی کس طرح ڈرتا تھا کس طرح میں نے آدمی بننے سے انکار کیا۔ کس طرح مجھے مارا گیا۔ کس طرح نکاح کے وقت میں نے ڈر کر انکار کیا۔ اور پھر کس طرح پیٹا گیا۔ یہ تفصیل سن سُنکر شہزادی صاحبہ ہنس پڑیں۔ میں نے اور مجھے دار تفصیل بیان کی اور آخر میں بتایا کہ کس طرح اندر آیا تو آپ نے میرا منہ خاصدان کے ڈھکنے سے توڑ دیا اور جوتی لیکر مرمت کرنے لگیں۔

شہزادی صاحبہ کے خوبصورت اور شاہانہ چہرہ پر پھولوں کی سی بارش ہو گئی میں نے اصرار کر کے کہا کہ "آخر یہ آپ مجھے مارنے پر کیوں تُل پڑیں؟" شہزادی صاحبہ نے کہا کہ "میں تمھیں گنوار سمجھی کہ تم گستاخی کرنے آئے ہو مجھے کیا معلوم کہ....... (رک کر) جہاں پناہی نے مجھے دھمکی دی تھی کہ گنوار......."

"ہاہاہا! اوہو!" میں نے چونک کر کہا "شہزادی صاحبہ اگر اجازت ہو تو.... آپ خفا نہ ہوں تو عرض کروں کہ اس روز رات کو باغ میں.... جو آپ آئی تھیں۔ وہ داروغہ کی لڑکی سے آپ باتیں کر رہی تھیں...."

"ہیں"! شہزادی صاحبہ چونک پڑیں "تمھیں کیسے معلوم"

میں نے کہا "میں وہاں باغ میں..... گیا تھا...... ملا تھا..... پھر داروغہ کی...... لڑکی سے آپ کی باتیں دروازے کی دراز میں سے سب سُنی تھیں"

"تم تھے" شہزادی صاحبہ نے کہا تم تھے...... وہ روش پر.....!"

"جی جی۔ خاکسار تھا حضور کا باغ کھسوٹنے بندہ گیا تھا"

کچھ رنجیدہ سا سنجیدہ ہوکر شہزادی صاحبہ نے کہا "یہ باتیں تمھیں نہ کرنا چاہئیں"
میں نے کچھ بے تکلفی سے کہا تو اب تھوڑا ہی باغ گھسوٹنے جا رہا ہوں، ان قصوں کو تو آپ جانے دیجئے اور اب خدا کے واسطے مجھے ایک بات بتایئے وہ یہ کہ اب تو میں مارا کوٹا نہیں جاؤں گا؟

شہزادی صاحبہ پھر ہنس پڑیں۔ لیکن ایک وقار کے ساتھ کہا۔ اب تم کو چاہیئے کہ گستاخی اور بے ادبی کرنا چھوڑ دو۔ ذرا وقار کیساتھ رہنا چاہیئے

"اجی" میں نے کہا "یہ فضول باتیں جانے دیجئے ... مجھے تو ایسی ترکیب بتایئے کہ یہ پٹنے دٹنے کا دھڑکا جاتا رہے اور پھر یہ بتایئے کہ کوئی خطرہ تو مجھے نہیں ورنہ میں بھاگنے کی فکر کردوں"۔

"بھاگ جاؤ گے؟" وہ بولیں۔

"اور نہیں یہ چار چوٹ کی مار تھوڑا ہی کھاؤں گا دن رات" میں نے کہا "یا تو تم مجھے بچاؤ اور ترکیب بتاؤ ....." شہزادی صاحبہ ایکدم سے بولیں "تمیز سیکھو تمیز ..... یہ تم؟"

"معاف فرمایئے میں نے کہا "اچھا آپ سہی ..... تو پھر مطلب میرا یہ ہے کہ مجھے کوئی ترکیب بتایئے جو میرا اطمینان ہو"۔

شہزادی صاحبہ بولیں "بس ترکیب یہ ہے کہ تمھیں شاہزادوں کی طرح رہنا چاہیئے آداب دربار سیکھنے چاہئیں۔ سب ملازموں خواجہ سراؤں اور خواصوں کو رعب میں رکھنا چاہیئے۔ میرے سامنے ہمیشہ قاعدہ سے مودب رہنا۔ میں خواصوں کو بتادونگی جہاں وہ کہیں موقعہ سے تمھیں سلام کیا کرنا اور ہمیشہ ادب سے پیش آنا صبح دربار میں جانا تو بالکل کسی سے نہ ڈرنا اندر والدہ صاحبہ ملکہ معظمہ صاحبہ کی خدمت میں قاعدہ سے نذر پیش کرنا۔

تمھیں سب قواعد بتا دئے جائیں گے۔ جب تم سلام کرو گے تو میں رو مال آگے بڑھا دونگی۔ اس کے کونے کو پکڑ کر تم آنکھوں سے اور ہونٹوں سے لگا لینا بس یہی قواعد ہیں۔

میں نے غور سے یہ سب باتیں سنیں مجھے یقین آگیا تو اب مجھے کچھ اور سوجھی میں نے آداب والقاب کو تو فی الحال رکھا بالائے طاق اور اب میں نے ذرا ہمت کر کے کہا "تو اب ان باتوں کو چھوڑ دو۔ اب یہ بتاؤ تم کہ تمہارے ساتھ شادی گٹھ گئی ہماری یا رگڑا جھگڑا باقی ہے؟ اور اب بندہ خاں تو تمہارے ضابطہ کے میاں ہیں یا نہیں۔ اور اگر"

"ہائیں! شہزادی صاحبہ نے تیوری پر بل ڈال کر کہا "یہ گستاخی .... انھوں نے غصہ میں بل کھایا ہی تھا کہ میں نے دل میں یہ سوچ کر گزشتہ والا مضمون ٹھیک رہے گا نہایت ہی لاپرواہی سے کہا۔ "گستاخی کو ڈالو چولھے میں ..... تم ہو ہماری بیوی ... آداب القاب ہم کچھ نہیں جانتے یہ جھگڑے .... سب واہیات ہے۔"

تم ذات کی ٹھہریں شہزادی اور ہم ٹھہرے آخر کو کھرے۔" مگر قسم ہے خدا کی ہم تمھیں سر پر بٹھائیں گے ..... ہم اپنی پیاری اور خوبصورت شہزادی کو سر پہ بٹھائیں گے"

قبل اس کے کہ وہ کچھ کہہ سکیں۔ یہ کہہ کر میں نے اپنی پیاری شہزادی کو لپک کر پھول کی طرح اٹھا کر سچ مچ سر پر رکھ لیا ..... میرا دماغ شہزادی صاحبہ کی خوشبو سے معطر ہو گیا اور میں اب ان کو سر پہ اٹھا کر لگا جھولا جھلانے۔

"ہائیں .... یہ گستاخی ....." شہزادی صاحبہ سر پہ سے بولیں۔

اس کے جواب میں ادھر میں نے جملہ گستاخیاں ختم کر کے سر پر سے اتار کر محبت میں ان کے رخساروں پر آہستہ سے دو عدد چانٹے رسید کر کے مسہری پہ پٹخ دیا اور جتا کر کہا۔ "جورو ذرا ہوش کی باتیں کرو۔"

دربار

صبح کے دربار میں جشن کا سامان تھا مجھے آپ دیکھتے تو کہتے۔ ہر کس و ناکس کی نظریں میرے اوپر تھیں "نواب کھرپا بہادر" ہر زبان پر خاموشی کے ساتھ تھا۔

میرے اوپر شاہی عنایات کی بارش ہو گئی۔ تیس ہزار روپیہ سالانہ آمدنی کی .... کراچی اور بمبئی میں جائداد کا اعلان کیا گیا۔ اکیاون ہزار کی جاگیر کا لنگران میں اعلان کیا گیا شہزادی صاحبہ کے اخراجات پاندان کے لئے اکیس ہزار کی جاگیر علیحدہ ملی رہنے کے لئے قلعہ سے باہر "آرام محل" عطا کیا گیا۔ مع خدام و موٹر ملازمین وغیرہ وغیرہ کے گیارہ استاد میرے اوپر مامور کئے گئے۔ جو مجھے اردو فارسی۔ انگریزی۔ تمام کھیل شہ سواری اور دوسری باتیں تمیز وغیرہ میں طاق کر دیں۔ فوج میں مجھے کپتانی کا عہدہ دیا گیا اور حکم دیا گیا کہ تین سال کے اندر اندر فوجی کام سیکھ کر تمام لنگران کی افواج کا جنرل اور کمانڈر انچیف بنا دیا جاؤں۔

باہر کے دربار سے فراغت پائی (بغیر مار کھائے ہوئے) اس کے بعد پھر ملکۂ معظمہ کی خدمت میں نذر گزرانی اور وہاں میرے اوپر جو محبت کے پھولوں کی بارش ہوئی ہے اس کا بیان نہیں کر سکتا تحفے تحائف سے میں لد گیا۔ باہر پھر دربار میں آیا اور اس دوران میں قلعہ سے آرام محل کی طرف موٹروں کا تار بندھ گیا شہزادی صاحبہ اپنے گھر

یعنی آرام محل رخصت ہو رہی تھیں۔ مع تمام اپنے زنانہ اسٹاف اور عملہ کے۔

دربار عام کے بعد شاہی دعوت ہوئی، میری تمیز اور میری متانت وسنجیدگی اور میرا لحاظ ادب شاہی سب دیکھنے کے قابل تھا۔ جہاں پناہ سے نہ رہا گیا میری پلیٹھ ٹھونک کر کہا۔ واہ رے میرے کھرپے..... کریا نا تجھے مار پیٹ کر ایک ہی روز میں درست" میرا اندازہ دیکھیے کہ اس کے جواب میں جہاں پناہی کے قدم چوم لئے بس باغ باغ ہی تو ہو گئے۔

شاہی دعوت ختم ہوئی اور میں موٹر پر آرام محل روانہ ہوا۔ موٹر برآمدہ کے پاس جا کر رکا اور گارڈ نے مجھے سلامی دی۔ میں اترا تو خدا کی شان نظر آئی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ جمن خاں اکڑے ہوئے "اٹینشن" کھڑے نہایت ہی فوجی ادب کے ساتھ مجھے سلامی دے رہے ہیں، کون جمن خاں ؟ وہی جنھوں نے کوتوالی میں مارے جوتوں کے میرا "فشار" نکال دیا تھا

میں اندر داخل ہوا تو خزانچی نے بڑھ کر مجھے سلام کیا اور ایک قو حساب کا میرے ہاتھ میں دیا معلوم ہوا کہ ایک ایک سال کی میری اور شہزادی صاحبہ کی جاگیر اور دو رقمیں کھاتہ میں جمع ہیں یہ میرا خزانچی تھا اور روزانہ یہاں آکر اپنا دفتر کھولے گا اور اس حد تک مجھے حسب ضرورت وقتاً فوقتاً روپیہ دیتا رہے گا۔ ٹھیک ہے میں نے کہا۔

میں اندر بڑے ہال میں داخل ہوا، یا اللہ میں سامان آرائش اور ٹھاٹھ دیکھ کر بے قابو ہو کر بیٹھ گیا اتنے میں پریوں کا سا ایک جھمگٹ آیا یعنی لونڈیوں کا میرے پاس آکر گھٹنوں کے بل جھک کر آداب بجا لایا۔ عرض کی کہ "چلئے" شہزادی صاحبہ کے سلام کو کان میں ایک چلبلی نے کہا "خدا کے واسطے قاعدہ سے سلام کیجئے گا۔ پہلا موقعہ ہے ورنہ جہاں پناہ کے کانوں تک بات پہنچ جائے گی۔

میں اندر بڑے ہال میں داخل ہوا جہاں شہزادی صاحبہ جلوہ افروز تھیں۔ بال بال موتی پروئے ہوئے۔ سر پر زرنگار جڑاؤ تاج تھا۔ موتی اور جواہرات کا درباری لباس پہنے بلندی پر ایک زرنگار کرسی پر کس دبدبہ اور شان سے بیٹھی تھیں کہ دیکھا رہ گیا ان کے بے انتہا حسین وجمیل چہرہ پر حسن کی بجلیاں کوندرہی تھیں"۔ والاشان عالی مقام جناب نواب دولہ نواب کُھرپا بہادر" کچھ کڑک کر ایک پرانی سی خواص نے کہا۔ میرے لئے یہ اشارہ تھا اور میں نے جھک کر سات عدد سلام کرنے شروع کئے۔ دل میں کہتا جا رہا تھا کہ واہ رے جورو تیرے ٹھاٹھ"!

شہزادی صاحبہ کے خوبصورت چہرہ پر بے حد سنجیدگی تھی' تاج پہنے ہوئے وہ شاہانہ دبدبہ تھا کہ دیکھا کیجئے' انھوں نے سلام کے جواب میں اپنا نازک اور حسین ہاتھ بڑھا دیا جس میں ریشمی رومال تھا۔ میں آگے بڑھا اور میں نے ایک گھٹنا ٹیک کر رومال کو بوسہ دیا شہزادی صاحبہ نے اُٹھنے کی جھوٹ موٹ دھمکی دی کہ میں فوراً سلام کرکے برابر والی مرصع کرسی پر بیٹھ گیا۔

یہ دراصل ہمارا دربار ہو رہا تھا۔ اب اور دربار شروع ہو گیا وہی پرانی سی خواص گویا وزیر اعظم کا کام کر رہی تھی۔ ایک ایک لونڈی کو اب لباس فاخرہ' زیور انعامات ملنا شروع ہوئے۔ تنخواہ میں اضافہ کے اعلان کئے گئے اور پھر لونڈیوں اور خواصوں کو اوندھے سیدھے خطابات عنایت ہوئے کسی کو زمردی۔ کسی کو فردوسی کسی کو گل شبو کسی کو گلنار کسی کو گلعذار کسی کو کچھ خطابات دیئے گئے۔

اس کے بعد انہی لونڈیوں نے طرح طرح کے کپڑے بدل کر گلاب، پاشی کی معنبر اور مشکیں بارش میں ساز وسامان کے ساتھ مبارکبادیاں گانی شروع کیں وہ گائیں اور

وہ ناصیں کیسں دیکھا ہی کیجئے' یہ سب کچھ دیکھ کر مجھ سے نہ رہا گیا اور میں بول اٹھا چیکے ہی سے) واہ رے جرو تیرے ٹھاٹھ، قصہ مختصر یہ دربار بخیر وخوبی ختم ہوا کپڑے لونڈیوں نے اتروائے، شہزادی صاحبہ نے بھی گھر کا لباس پہنا اور ہم دونوں اندر کے گول کمرے میں باتیں کرنے آئے۔

واللہ شہزادی صاحبہ کیسی خوش ہیں۔ میں نے انھیں گلے سے لگایا فرط الفت سے ان کے ہاتھوں کو بوسوں سے تر کر دیا۔ ہم دونوں بیٹھ گئے اور شہزادی صاحبہ نے اب متوحش سی خبر سنائی وہ یہ کہ ان کے بھائی یعنی ولی عہد بہادر میری شادی پر اس قدر گرم ہیں اور اس قدر سخت اخلاف ہیں کہ انھوں نے جب سنا تو مارے صدمے کے بے ہوش ہو کر گر پڑے اور کہتے ہیں کہ میں اپنی جان دیدو نگا اور یہ بے غیرتی گوارہ نہ کروں گا اور اس شادی کو چھڑا دوں گا۔ یہی وجہ تھی جو میں نے انھیں نہ تو دربار میں دیکھا اور نہ ان کا ذکر سُنا۔

دلیں میں نے کہا کہ سالے کا سر نہ پھاڑ دیا ہو تو میرا ذمہ۔ مگر گھبرایا ضرور کہ یہ ضدی آدمی مشہور ہے نوجوان غصہ در ہے ہیں کچھ گڑ بڑ نہ کر بیٹھیں۔

شہزادی صاحبہ نے بھی کہا کہ بے حد ضدی ہیں، مگر میری محبت ہی میں ایسا کر رہے ہیں، میں راضی کر لوں گی۔ میں نے دل میں کہا کہ اگر ناراض ہوں گے تو میرا کیا بگاڑ لیں گے سر پھاڑ دوں گا سر میں نے مضبوط ہو کر دل میں کہا، پھر میں نے کچھ گھبرا کر کہا:۔

"شہزادی صاحبہ۔ میری نازو بیگم اور جو تمہارے بھیا ولیعہد بہادر راضی نہ ہوئے بگڑ کھڑے ہوئے اپنی ضد پر اڑ گئے تو..... تو؟ ..... تو کیا تم مجھے....

مجھے تم ...... تم مجھے نکال دو گی"۔

ایک جھلکی سی شہزادی صاحبہ کے پر نور چہرہ پر آئی اور چلی گئی"۔ مجال ہے انکی۔ کچھ غصّے سے انھوں نے کہا"۔ اور تم ان کے نکالے نکل جاؤ گے؟"

"سر پھاڑ دوں گا ... سب ولی عہدی بھُس میں ملا دوں گا ....."

"ہائیں! غضب ...." شہزادی صاحبہ نے متعجب ہو کر ہنستے ہوئے اپنے نازک ہاتھ سے میرا منہ بند کر دیا اور پھر تیزی سے کہا"۔ بکواس مت کرو .... ہو نہ آخر کو ....."

(شہزادی صاحبہ کا مسرت آمیز چہرہ دمک اُٹھا خوشی اور کامرانی کے تارے ان کے خوبصورت چہرہ پر جگمگانے لگے۔ پھول سی کھل گئیں اور اپنی مخمور آنکھوں میں ایک دُنیا کا طلسم پیدا کر کے مسکرا کر بولیں .... ہو نہ آخر .... ہو نہ آخر .... کھر ....."

انھوں نے کہا "کھر" اور میں نے جملہ لفظ مکمّل کیا میں نے کہا ... "پے" اور "پے" کے ساتھ ہی ایک جھٹکے میں اچھال کر شہزادی صاحب کو سر پہ پہنچا یا۔

ادھر ان کے منہ سے ہنسی کی چیخ نکلی اور ادھر اپنا عصا لئے خان بہادر "زرّن خان" ایک دم سے در آئیں .....

"اے ہے" میری شہزادی" ان کے منہ سے نکلا اور ادھر میں شرم سے پانی پانی شہزادی کو زمین پر چھوڑ بھی چکا تھا۔

"اے نواب صاحب" زرن خاں بولیں "حضور نے غضب ہی کر دیا اور پھر شاہی ادب بھی کوئی چیز ہے۔ ایسی بے ادبی ایسی گستاخی یہ بادشاہ زادیاں ہیں .... میری جان ان کا ادب کرو میں آپ کے صدقے ...."

یہ کہکر میری بلائیں لینے لگیں اور ادھر شہزادی صاحبہ نہ معلوم کس طرف چلکے سے

رینگ گئیں۔

وہ خواص۔ وہ بزرگ صورت خواص جس نے ہمارے چھوٹے سے دربار میں وزیرِ اعظم کی خدمات انجام دے کر لونڈیوں باندیوں کو خطاب دیئے تھے ان کا لقب یا خطاب جہاں پناہی کی سرکار سے "خان بہادر رزن خان" تھا اور انھوں نے چونکہ شہزادی صاحبہ کو کھلایا تھا اس وجہ سے اب یہاں آئی تھیں۔ اسوقت انھوں نے تنہائی پا کر مجھے تو صوفے پر بٹھایا اور خود فرش پر بیٹھ گئیں اتنے میں ایک لونڈی آئی تو اس سے کہا کہ شہزادی صاحبہ سے کہدو کہ نواب صاحب کو میں تعلیم دے رہی ہوں۔ جب تنہائی ہو گئی تو رزن خاں نے کچھ پریشان ہو کر کہا۔

بٹیا خدا کیواسطے ڈھنگ سے چلنا۔ قدم قدم پر کنواں ہے! ان ریشم کے گدوں کو کانٹوں کا ڈھیر سمجھو گے جب گذر ہو گی کیسی بات پر بھول نہ جانا۔ دم مارنے میں کیا سے کیا ہو جائے گا۔ ذرا ٹھونک کے قدم رکھنا شہزادی صاحبہ مجھے بڑی پیاری ہیں۔ اسوجہ سے تم میری آنکھ کا تارا ہو۔ مگر اچھی طرح سمجھ لو کہ بس قدم قدم پر یہاں کنواں ہے۔

میں کچھ گھبرا سا گیا اور میں نے کہا "کیوں؟ کیسے؟"

"کیسے!" رزن خاں نے بھنویں سکیڑ کر کہا "پوچھتے ہو کیسے! آنکھوں دیکھتے ہو اور پوچھتے ہو کیسے؟ جانتے ہیں حضور میں کون ہوں؟ میرا نام ہے "راز دار خاں" عرف .... رزن خاں۔ میں سرکار کی راز دار ہوں۔ اس سینے میں (سینے پر اپنے ہاتھ رکھکر کہا)، لنگران کے شاہی دربار کے راز بھرے پڑے ہیں۔ آپ پوچھتے ہیں کیسے! تو بہتر ہے کہ آپ رزن خاں کی زبانی لنگران کا پہلا راز سن لیجیے۔

پہلا راز

رزن خاں نے پہلا راز اس طرح بیان کیا۔

"دیکھو بیٹا میرا نام "رازدار خاں" ہے اور میں تم سے آقائے لنکران کے پوشیدہ راز بیان کرتی ہوں اس لئے کہ تم سمجھو کہ کہاں ہو...... یہ جب کا ذکر ہے کہ حضور والا جوان تھے...... سالگرہ کا جشن تھا۔ اندر باہر رنگ رلیاں مچی تھیں دن بھر زنان خانہ میں جشن رہا۔ سرکار نے محل میں ٹھاٹھ کا دربار کیا۔ حضور ملکۂ زمانی مرحومہ اللہ انھیں جنت نصیب کرے میری آنکھوں میں اس وقت ان کی جوانی کی صورت پھر گئی زر و جواہر میں غرق بال بال موتی پروئے سنگار کئے دربار میں اس شان سے آئیں کہ ولی عہد بہادر مرحوم کی والدہ ماجدہ رنگین محل بیگم کی آنکھیں جھپکنے لگیں یہ قصہ تو خیر بعد میں بتاؤں گی یہاں اتنا کافی ہے کہ زنانہ محل میں بڑی دھوم دھام سے دربار ہوا رات کے وقت باہر جشن ہوا۔

چالیس کمروں والا کمخواب کا دل بادل تان دیا گیا۔ کمرہ کمرہ میں قالین کا فرش تھا صدر ہال میں انگریزی بینڈ کی گت پر انگریزی ناچ تھا۔ سرکار بہادر مشرقی لباس میں بڑی شاہانہ سج دھج سے خود بہ نفس نفیس اس جلسۂ رقص میں شریک تھے میری ڈیوٹی بھی اس ہال میں تھی۔ بس کیا بتاؤں بیٹا کہ جلسہ آنکھوں میں پھرا جا رہا ہے۔ ایک سے ایک خوبصورت

انگریزن موجود تھی اور اسی جھمگٹ میں ایک سولہ برس کی لڑکی بھی ہیں کیا عرض کروں کہ اس کے آتشیں حسن سیال نے سرکار کی کیا حالت کردی۔ یہ انگریز وزیر مال کی لڑکی تھی سرکار بہادر کیساتھ ایک چکر رقص کا لگا ہے کہ بس گویا انھیں چکرا دیا۔ کامنی صورت، نازک بدن۔ میدہ اور شہاب کا رنگ بس یہ معلوم ہوتا تھا کہ مینائے بلورین میں کسی نے سیماب اور گلال بھر کر جادو پھونک دیا ہے سرکار ایسے وارفتہ ہوئے کہ اسی جلسہ میں گلے سے ست لڑا مالائے مروارید اتار کر اس کے گلے میں ڈال دیا حاضرین نے بینڈ کی گت پر خوشی کی تالیاں بجائیں اور وہ اپنی عشوہ گری پر ناز کرتی پیمانہ کی طرح چھلکتی مسکراتی۔ بجلیاں گراتی رقص ختم کر کے اپنے باپ کے پاس جا بیٹھی مجھ سے حضور نے پانی طلب کیا تو میں نے حال دیکھا۔

رات بھر یہی حال رہا اور تیسرے چکر میں زمرد کا ہار بھی اس کے گلے میں ڈالدیا صبح ہوتے جب جلسہ برخاست ہوا تو میں نے مسکرا کر یا معنی فرشی سلام جو کیا تو پھول کی طرح کھِل گئے۔ ہاتھ پکڑ کر میرا الگ لائے اور اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا "خاموش" میں ادب سے جھک گئی۔

دوسرے ہی روز اس کے باپ کی ترقی کردی اور اس کے بعد ہی ہفتہ بھر تک اس کی ماں اور اس کے باپ کے اوپر وہ عنایت کی بارش رہی کہ اس کو بھی معلوم ہوگیا ہوگا زیادہ دن تک بات بھی دل میں نہ رکھی اور موقعہ دیکھکر اس کے باپ سے آخر کو خواہش ظاہر کردی۔ باپ نے بڑی سادگی سے کہا " آپ اس سے خود دریافت کر لیجیے گا۔ میری طرف سے صرف ایک شرط ہے وہ یہ کہ ایک تو پردہ میں نہیں رہے گی اور دوسرے اپنا مذہب نہیں بدلے گی "۔

کچھ بھی ہو مگر اتنا کہوں گی کہ خدا سرکار کو ہزاری عمر دے۔ مذہب کے معاملہ

میں بڑے بچے ہیں کہنے لگے کہ مذہب بھی بدلنا پڑے گا اور پردہ میں بھی رہنا پڑیگا۔ ظاہر ہے کہ اس کے باپ کو یہ کسی طرح منظور نہ تھا۔ مگر پھر بھی بہ نفس نفیس اس سے خود اس معاملہ میں گفتگو کا ارادہ کیا۔ ایک روز دعوت کی اور چہل قدمی کے دوران میں اس کے ماں اور باپ نے اسے قصداً سرکار کے ساتھ باغ کی دوسری روش پر چھوڑ دیا۔ سرکار نے اس سے بات چیت کی تو اس نے بڑی رکھائی سے مجبوری ظاہر کی اور جب سرکار نے بہت زور دیا تو معلوم ہوا کہ وہ کسی اور شخص کی محبت میں گرفتار ہے اور اس نے صاف کہدیا کہ میں کسی اور سے عہد و پیمان کر چکی ہوں تو پھر سرکار نے لاکھ لاکھ اسے توڑا۔ سمجھایا۔ بجھایا مگر وہ کافر بھلا کاہیکو جنبش کرتی۔ نتیجہ یہ کہ سخت صدمہ ہوا مگر برداشت کر گئے اور اس خیال سے اس کا باپ یہ نہ سمجھے کہ خفا ہیں اسی روز لڑکی کو اور تحائف دئیے اور صبح اس کے باپ کی اور ترقی کر دی باپ سے کہہ دیا کہ لڑکی اس وجہ سے مجھے قبول کرنے سے انکار کرتی ہے۔ خیر کوئی مضائقہ نہیں ظاہرا بات آئی گئی ہوئی۔

(۲)

اس بدبخت نے یہ یہ سمجھا کہ کس سے انکار کیا ہے۔ آقائے لنگران کی درخواست ... ٹھکرائی جائے! کوئی معمولی بات تھی۔ مارے غصّے کے جھنجلا رہے تھے بل کھا رہے تھے اس کے تیسرے روز کا ذکر ہے کہ رات کا وقت تھا۔ خاصہ تناول کرنے کے بعد مجھے طلب فرمایا اور سب احوال بیان کرکے مجھ سے بولے کہ "اس نے بیگم بننے سے انکار کیا ہے۔ بولو کیا کہتی ہو"!

میں نے کہا "حضور ایسی کی تو یہ سزا ہے کہ اب لونڈی بنائی جائے"!

خوش ہو کر کہنے لگے "شاباش۔ مگر ترکیب بتاؤ"۔

میں نے گستاخی سے عرض کیا کہ "جہاں پناہ ترکیب تو میں بتا نہیں سکتی رہ گئی خدمت تو یہ میرے سپرد کر دیجئے اور تین مہینے کی ضمانت دیجئے۔ وہ ترکیب چلوں کہ لندن تک فریاد کرلے تو کچھ نہ ہو۔ نہ حضور کی بدنامی ہوگی"۔

وہ لڑکی محض جشن سالگرہ میں شریک ہونے شملہ سے آئی تھی۔ جہاں وہ اسکول میں پڑھتی تھی اور دو چار روز میں جانیوالی ہو رہی تھی۔ لہذا فرمایا "وہ تو جا رہی ہے"۔ اس کے جواب میں میں نے عرض کی کہ آپ کچھ پرواہ نہ کریں۔

اب میرے سپرد انتظام ہو گیا تو میں نے تین آدمی اوّل نمبر کے بدمعاش تلاش کیئے۔ یہ تینوں جیل خانہ میں سخت جرائم کی پاداش میں لمبی قیدیں بھگت رہے تھے۔ میں نے جہاں پناہ سے عرض کی کہ آج رات کو خفیہ طور پر جیلر کو حکم ہو کہ فلاں فلاں قیدیوں کو تخلیہ میں حاضر کریں۔ سرکار نے جب وجہ دریافت کی تو میں نے عذر کیا کہ لونڈی وقت پر عرض کرے گی۔

حکم کی دیر تھی۔ رات کو تینوں قیدی حاضر کیئے گئے اور میں نے ان میں سے ایک ایک کر کے تنہائی میں گفتگو کی۔ ان کو اچھی طرح سمجھایا کہ جیسا حکم دیں ویسا کرنا بہت معمولی خدمت ان کے سپرد کی وہ یہ کہ دیدہ و دانستہ تم کو جیل سے بھاگ جانے دیا جائیگا۔ مگر ظاہر اً تعاقب کیا جائیگا۔ گولیاں بھی ہوا میں چلائی جائیں گی مگر تمھیں نکل جانے دیا جائے گا اس کے بعد تمہارا فرض ہے کہ سچ مچ روپوش رہنا کیونکہ ہزار ہزار روپے کے انعام کا اشتہار بھی تمہاری گرفتاری کا مشتہر کیا جائے گا۔

اس کے بعد تمھیں خدمت کے لئے ایک خاص دن طلب کیا جائیگا۔ وہ خدمت

یہ ہو گی کہ فلاں فلاں سڑک پر سے فلاں وقت وزیر مال کی لڑکی موٹر میں بیٹھ کر گذریگی صرف ڈرائیور ہوگا اور وہ ہوگی۔ تمہارا کام یہ ہوگا کہ موٹر پر پستول لے کر حملہ کرو ڈرائیور کو مجبور کرو۔ لڑکی کو باندھ کر ڈال دو۔ منہ میں گوڈر ٹھونس دو۔ اس کا مال و اسباب لوٹ لو۔ ڈرائیور سے کہو کہ جنگل میں لے چلے جنگل میں پہنچکر لڑکی کو اتار لو اور ڈرائیور کو بھگا دو جب ڈرائیور چلا جائے تو لڑکی کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر رات کو گاڑی میں ڈال کے شہر لاؤ اور ڈولی میں ایک کمبل میں لپیٹ کر رات کو خفیہ طور پر میرے حوالے کردو اور بھاگ جاؤ پھر اس کے بعد پولیس تمہاری تلاش کریگی اور جنگل میں تمھیں کسی مقام پر گھیر لے گی وہاں مصنوعی طور پر گولی بھی چلے گی۔ تم تینوں پکڑے جاؤ گے۔ تمہارے اوپر مقدمہ چلیگا۔ تم لوگ جرم سے اقبال کرنا اور کہنا کہ ہم تینوں نے ڈاکہ ڈالا تھا اور تم میں لے ایک یہ بھی اقبال کرنا کہ میں نے اس کو نے اس کو بے عزت کیا تھا۔ تم تینوں پر مقدمہ چلے گا عمر قید کی سزا ملیگی۔ تم تینوں کو عمر بھر پچاس روپیہ ماہوار تنخواہ ملے گی جیلر کو حکم دیدیا جائیگا کہ دن بھر جیل میں رکھے اور رات کو گھر چلا جانے دیا کرے۔ تم ویسے ہر طرح آزاد ہوگے صرف حاضری کے وقت جیل پر آنا پڑے گا۔

ظاہر ہے کہ تینوں راضی ہو گئے میں نے خوب اچھی طرح سمجھا بجھا کر ان کو جہاں پناہ کے سامنے پیش کردیا۔

احکم ہوا کہ ان کو فی کس پانچ پانچ سو روپیہ دے کر ابھی چھوڑ دیا جائے چنانچہ تینوں دعائیں دیتے چلے گئے۔ حضور والا نے میری تجویز سنی تو پھڑک اٹھے۔)

۳

لڑکی کو شملہ گئے کوئی بیس روز ہوئے ہوں گے تینوں قیدی رات کو جیل پھاند چکے

تھے ان کی گرفتاری اور انعام کے اشتہار بھی نکل چکے تھے۔ جہاں پناہ کی طرف سے پولیس کو سخت احکام جاری ہو چکے تھے کہ ان زبردست بدمعاشوں کو دوبارہ گرفتار کیا جائے غرض پولیس سرگرمی سے ان کی تلاش میں تھی کہ میں نے جہاں پناہ کو اشارہ کیا انھوں نے وزیر مال کو سرکاری کام سے بیس دن کے دورے پر ریاست کے کاروبار کے متعلق دہلی روانہ کیا۔ ادھر وہ دہلی گیا اور ادھر باپ کی طرف سے لڑکی کو ڈبل تار دیا گیا کہ جلدی آؤ۔ لڑکی نے تار کا جواب دیا فلاں وقت پہنچوں گی جوابی تار تھا اور پتہ اس کے باپ کے دفتر کا تھا۔ وزیر انصاف اس کا کام کرتے تھے ان کے پاس تار آیا تو انھوں نے اس کی ماں کو بھجوا دیا۔ ماں کی سمجھ میں نہ آیا کہ لڑکی کیوں آ رہی ہے لہٰذا وہ موٹر لے کر خود اسٹیشن پہنچی۔

اسٹیشن سے بنگلہ دور تھا۔ سڑک ویران تھی۔ واپسی میں دن دہاڑے تینوں ڈاکوؤں نے بہانہ سے موٹر روک لیا اور حملہ کر کے ماں اور بیٹی دونوں کو باندھ کر ڈال دیا۔ جنگل میں جا کر ماں کو اور ڈرائیور کو چھوڑ دیا اور لڑکی کو لیکر رفوچکر ہو گئے ماں نے فوراً تھانہ میں جا کر رپورٹ لکھائی۔ حضور جہاں پناہ سے ملی تو حضور جہاں پناہ نے اس کے سامنے کوتوال شہر اور انسپکٹر جنرل پولیس کو سخت تاکید کی جلد از جلد جرم کا پتہ لگایا جائے ورنہ خیر نہیں خاص طور پر گزٹ میں جہاں پناہ کے تاکیدی احکام شائع ہوئے۔ لڑکی کے باپ کو الگ تار ہمدردی کے دیئے گئے۔

رات کے بارہ بجے ہوں گے کہ خاموشی اور تاریکی میں تینوں مجرموں نے ایک کمبل میں لپٹی ہوئی امانت ہمارے سپرد کی۔ فوراً "تاریک محل" کا چور دروازہ کھولا گیا۔

"میں نے پوچھا یہ تاریک محل کدھر ہے؟"

وہ بولیں آپ سنتے جائیے ..... دربار والے کمرے میں زنانہ محل میں جو راستہ جاتا ہے بائیں ہاتھ کی طرف اس کے ایک کمرہ ہے۔ اس کے اندر تہ خانہ کا ایک دروازہ ہے سنگ مرمر کی چودہ سیڑھیاں اتر کر زیر زمین تاریک محل شروع ہوتا ہے۔ محل کے نیچے سترہ کمرے ہیں اور پورا کا پورا محل ہے۔ آپ سنتے جائیے ..... تاریک محل کا دروازہ کھولا گیا اور امانت کو میں نے نیچے پہنچوایا۔ مجرموں کو انعام دے کر رخصت کیا۔ ایک بٹن دباتے ہی تاریک محل میں دن ہوگیا میں تو اوپر چلی آئی اور تین "رازدارنیوں" کو نیچے بھیج دیا۔ انھوں نے وہاں جاکر کمبل کھولکر لڑکی کو نکالا۔ کوئی پندرہ منٹ بعد ان میں سے ایک خواص باختہ میرے پاس دوڑی آئی اور اس نے اطلاع دی کہ مس صاحبہ آگ بگولہ ہو رہی ہیں جہاں پناہ نے مجھے بھیجا۔ میں پہنچی۔

تاریک محل کے وسیع ہال میں پہنچی۔ درودیوار پر بانات منڈھی ہوئی تھی ہال میں رومی غالیچوں کا فرش تھا اور جھاڑ فانوس کی روشنی سے دن ہو رہا تھا۔ بیچ کمرے میں ایک صوفہ کے پاس مس صاحبہ صورت جلال حسن برہم بنی کھڑی تھیں نہ معلوم کیا خرافات بک رہی تھیں میں نے پہنچتے ہی ان کو فرشی سلام کیا اور دونوں خواصوں کو اشارہ کیا اور وہ رخصت ہوگئیں اس کے بعد میں نے جہاں پناہ کے "لازوال" عشق کی داستان جو سنائی تو میں کیا عرض کروں کہ اس چڑیل نے کیسی بکواس شروع کی۔ جہاں پناہ نے حکم دیا تھا کہ ان کی طرف سے پیغام نکاح دوں مگر اس نیک بخت نے ایک نہ سنی۔ ایک سرے سے جہاں پناہ کو جو جی میں آیا سنا ڈالا میں نے لاکھ سمجھایا بہلایا۔ پھسلایا۔ ڈرایا۔ دھمکایا مگر توبہ کیجیے۔ اسکے سر پر تو جیسے بھوت چڑھا تھا نہ کاہے کو مانتی۔ جب میں نے ذرا کرختگی سے کام لیا تو وہ غضبناک شیرنی کیطرح میرے اوپر لپکی۔ میں مجبور و ناچار ہو کر دوہال

سے جو بھاگی تو وہ میرے پیچھے پیچھے۔ مجبوراً میں نے لپک کر چپکے سے اندھیر اگھپ کر دیا وہ تو اندھیرے کی وجہ سے رہ گئی اور میں ٹٹول کر باہر آ ئی۔ جہاں پناہ کو دروازہ پر منتظر پایا میں نے عرض کر دیا کہ میرے بس کی بات نہیں انھوں نے روشنی کر دی اور اب وہ خود چلے اور انکے پیچھے میں۔

ہال میں پہنچتے ہی دونوں میں انگریزی میں باتیں ہوئیں وہ تو شیر غران ہو رہی تھی ان پر بھی برس پڑی۔ انگریزی میں نہیں سمجھتی مگر انداز سے کہہ سکتی ہوں کہ وہ بھی اس کو سمجھا رہے تھے مگر جب انھوں نے دیکھا کہ اس نے ان کیساتھ حقارت کا برتاو کیا مارے غصہ کے جہاں پناہ کا رنگ بدل گیا آہستہ سے انھوں نے تالی بجائی اور پانچ خواصیں تیر کی طرح اشارہ پاتے ہی مع میرے اس پر جھپٹ پڑیں۔ ایک تالی کیساتھ اندھیر اگھپ ہو گیا اور ہم سب تاریکی میں اس کو جہاں پناہ کے سپرد کر کے چلے آئے۔

اس کے تیسرے روز وزیر بال آ گئے۔ شہر بھر میں اس خبر سے تہلکہ مچا ہوا تھا جہاں پناہ نے فوج اور پولیس دونوں کو گرفتاری پر تعینات فرمایا تھا اور روزانہ پولیس کی کارگزاری کی رپورٹ پیش ہوتی تھی۔ یہ سب کچھ تو باہر ہو رہا تھا اور اندر "تاریک محل" کی گہرائی میں مس صاحبہ مع دلی باندی بنائی جا چکی تھیں ان کا وہ غرور اور تمکنت اب عزت و آبرو لٹنے کے بعد کچھ نہ رہا تھا۔ مگر ہاں چہرہ پر ایک غمگین وقار کی جھلک تھی کہ باندی کی طرح مسلط تھی۔ تنہا ہی دبدبے سے کب کی متاثر ہو چکی تھیں اور جانتی تھیں کہ جس نے عزت دلی ہے وہ ذرا سے اشارہ پر جان بھی لے لیگا۔ کیونکہ میں نے چپکے سے ان کے کان میں یہ بات پھونک دی تھی کہ عجب نہیں تھیں جہاں پناہ اس کمرہ کی تاریکی میں گڑھا کھود کر دفن کر وادیں تاکہ تم باہر نکل کر ان کو بدنام نہ کرسکو۔ لہٰذا بہتری اسی میں ہے کہ خاموش رہو۔ میں نے یہ کہا تو حقیقت

دیکھتے ہوئے ان کا چہرہ مارے دہشت کے سپید ہو گیا تھا اور وہ جان گئی تھیں کہ لنگران اعظم کی اولاد سے سابقہ ہے۔ اِدھر میں نے جہاں پناہ کو مشورہ دیا تھا کہ ہر قسم کی دلجوئی سے کام لیں اور ان کو راضی رکھیں جہاں پناہ کہتے تھے کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کو چھوڑ دوں اور پھر یہ میرے پاس نہ آئے چنانچہ وہ ہر طرح سے انکی دلجوئی کرتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ راضی ہو جائے۔

اب ضرورت تھی کہ وزیر مال سے لڑائی کی صورت پیدا کیجائے۔ چنانچہ جس مشن کے لئے وہ بھیجے گئے تھے اس کی تفصیل جہاں پناہ نے سنی۔ ان کی کارگزاریوں میں بد دست غلطی نکال کر ان پر سخت خفا ہوئے اور بطور سزا دوسو روپیہ ماہوار کا انکی تنخواہ میں تنزل کیا اور گزٹ میں یہ بات شائع کرادی۔

وزیر مال گورنمنٹ کا آدمی تھا وہ بھلا کب اس سختی کو برداشت کرتا اور اس نے جھٹ استعفیٰ دے دیا۔ حضور پرنور نے تین مہینے کے بعد استعفیٰ منظور کرنیکا حکم دیا تاکہ اس دوران میں وہ چارج دے سکیں وزیر مال نے جب فوراً استعفیٰ دینے پر اصرار کیا تو جہاں پناہ نے فوجی گارد اس کے بنگلہ پر بھیج دیا اور کہلا دیا کہ مالیات کا معاملہ ہے اور ہمیں شک ہے کہ کہیں کوئی زبردست غلطی نہ ہو۔ ساتھ ہی گورنمنٹ کو تار دے کر ایک انگریز افسر کو بلا کر تعینات کیا کہ وہ وزیر مال کے محکمہ کی جانچ کر کے جلد سے جلد رپورٹ دے تاکہ وزیر مال کو سبکدوش کر دیا جائے۔

یہ سب کچھ تھا مگر مس صاحبہ کی مفروضہ تلاش میں دن رات پولیس لگی ہوئی تھی درحالیکہ وہ تاریک محل میں خود رنگ رلیوں کا مرکز بنی ہوئی تھیں آخرش وہ وقت آیا کہ پولیس نے تین میں سے دو مجرموں کو جنگل میں بعد ایک معرکہ کے گرفتار کیا۔ تیسرا بھاگ نکلا۔ دوسرے ہی روز جہاں پناہ نے حکم دیا کہ ایک خاص جج اس مقدمہ کیلئے مقرر

ہوا اور کارروائی مقدمہ بند کمرے میں ہو۔ وزیر مال کی میم صاحبہ نے ملزموں شناخت کیا۔ ان کو اقبال جرم تھا۔ انھوں نے تمام تر الزام تیسرے غیر ملزم پہ رکھا اور یہ کہا کہ ہم سے مس صاحبہ سے کوئی سروکار نہیں جب سے وہ گئی ہیں وہ اور اسی نے ان کو بے عزت کیا ہے۔

مقدمہ چل رہا تھا کہ سارے شہر میں کھلبلی مچ گئی کہ تیسرا ملزم شہر کے ایک مکان سے معہ مس صاحبہ کے برآمد ہو گیا۔ مس صاحبہ اپنے والدین کے حوالہ کی گئیں مگر ان کی والدہ ماجدہ سے جو اس ملزم کو شناخت کرنے کو کہا گیا تو انھوں نے کارروائی مقدمہ میں شریک ہونے سے انکار کر دیا مگر چونکہ ثبوت کافی موجود تھا اور یہ ملزم بھی اقبالی تھا لہٰذا دو تین سخت ترین جرم عاید کر کے اس کی پاداش میں تینوں کو حبس قید کی سزا دے دی گئی ادھر ان تینوں کو سزا ہوئی اور اُدھر وزیر مال نے اپنی بیٹی کی بے عزتی کا حال معلوم کر کے معاملہ گورنمنٹ میں خود جا کر پیش کر دیا۔

ایک دفعہ تو اس کارروائی سے تہلکہ پڑ گیا کیونکہ انگریز کا پلہ بھاری ہوتا ہے وہاں سے حضور پرنور سے جب اس کی دبی زبان سے بازپرس کی گئی تو انھوں نے سخت برہم ہو کر جواب دیا اور لکھ دیا کہ وزیر مال کی بد معاشی سے اس کا تنزل کیا گیا ہے۔ لہٰذا اس نے بیٹی کو سکھا کر یہ الزام تھوپا ہے اور اس جواب کے ساتھ مقدمہ کی پوری مثل گورنمنٹ میں بغرض ملاحظہ روانہ کر دی۔ وہاں بھلا کیا خامی تھی شروع سے لیکر آخر تک مثل کا پیٹ بھر دیا گیا تھا۔ ساتھ ہی مختلف تاریخوں کے گزٹ کے اشتہارات بھی ارسال کئے گئے تھے جو وزیر مال کی تنزلی اور اس مقدمہ سے کسی طرح بھی متعلق تھے۔ نتیجہ یہ کہ گورنمنٹ نے الٹا وزیر مال کو حکم دیا کہ جہاں پناہ سے معافی مانگے اور بہتر ہے کہ استعفیٰ واپس لے۔

مرتا کیا نہ کرتا اس کو معافی مانگنا پڑی۔ مگر استعفیٰ اس نے واپس نہ لیا بدستور کشیدہ رہا۔

لیکن معافی مانگتے ہی حضور پرنور نے اس کے تنزل کا حکم منسوخ کر دیا۔ مزید ترقی کا اعلان کیا اور نہایت ہی ملائم الفاظ میں خیال ظاہر فرمایا کہ اگر استعفیٰ واپس لے لیں تو بہتر ہے اور اسی روز ان کو تخلیہ میں طلب کیا۔

تخلیہ میں میں بھی تھی مگر باتیں انگریزی میں ہو رہی تھیں لہذا مجھے نہیں معلوم کیا کیا باتیں ہوئیں مگر وہ چلے گئے تو حضور نے جوش مسرت سے مجھے بٹھا لیا اور مجھے معلوم ہوا کہ وہ اس بات پر راضی ہو گیا ہے کہ لڑکی کو شاہی حرم میں داخل کر دے حضور نے ازراہ غریب پروری مس صاحبہ سے عقد کرنا منظور فرما لیا ہے۔

اس طرح مس صاحبہ جہاں پناہ کے قبضہ میں آئیں ان کو جہاں پناہ نے دلرس بانو بیگم کا خطاب دیا اور یہی دلرس بانو بیگم تھیں جن کی وجہ سے خاندان لنگران کی عظمت مٹی میں ملگئی وہ کچھ ہوا جو کبھی نہ ہوا تھا لنگران اعظم کی اولاد کو اس فرنگن کیوجہ سے وہ ذلت اور پشیمانی نصیب ہوئی جو کبھی نہ ہوئی تھی اور اصل پوچھو تو شاید لنگران اعظم کی اولاد کو کیئے کی سزا ملی۔ دلرس بانو نے جہاں پناہ سے اپنے ظلم کا ایسا بدلہ لیا کہ سات پشت تک کیلئے لنگران اعظم کی اولاد کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ لگ گیا۔ اس نے ایسا بدلہ لیا کہ آج تک جہاں پناہ انگاروں پر لوٹ رہے ہیں دنیا ان کو خوش دیکھتی ہے مگر نہیں ان کو گھن لگ گیا ہے۔ دنیا سے وہ بیزار ہو گئے ہیں اور یہ سب محض دلرس بانو کے خوفناک بدلہ کیوجہ سے دلرس بانو کو مرے ہوئے آج سات سال ہو گئے مگر اس کے انتقام کی برچھیاں آج بھی جہاں پناہ اور انکی اولاد کے کلیجہ کو چھلنی کر رہی ہیں۔ لہذا خبردار کسی بھول میں مت رہنا۔ ہوشیار رہنا ورنہ یاد رکھو کہ دلرس بانو

کے انتقام کی چنگاریاں اپنے شعلوں میں تمھیں بھی لپیٹ لیں گی۔ دوسرا راز میں پھر بتاؤں گی ابھی اسی پر غور کرو اور سوچو مگر خبردار جو یہ باتیں تم نے شہزادی صاحبہ سے کہیں۔"

میں نے غور سے اس مکارہ کی باتیں سنیں۔ ایک سناٹے میں آگیا پھر سوچ میں پڑ گیا کہ اتنے میں شہزادی صاحبہ کا خوبصورت اور جگنو سا چہرہ دروازہ میں سے چمکا اور ان کی مسکراہٹ سے محبت کی شعاعیں نکلتی جو معلوم دیں تو بڑے زور سے "حرافہ" کہتا ہوا میں لپکا شہزادی صاحبہ کی طرف کہ "لینا" یہ کہکر میں لپکا۔

مگر میں نے دیکھا کہ شہزادی صاحبہ کے پرنور چہرہ پر جلال کی ایک جھپکی سی آئی میں نے کہا "کیوں" تو انھوں نے انتہائی جذبہ اور غصہ کے عالم میں کہا میری بدزبانی پر سختی سی نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا "میری شان میں مذاق میں بھی تمھیں حرافہ کا لفظ استعمال نہیں کرنا چاہیئے وہ بھی اتنی بلند آواز سے۔"

"ارے" میں نے اور بھی زور سے دہاڑ کر کہا "پگلی کہیں کی ہم نے تجھے حرافہ کب کہا تھا لیکن یہ ہے تو یہی سہی اور اب کہے..."

لپک کر شہزادی صاحبہ نے اپنے نازک اور میٹھے ہاتھ سے میرا منہ بند کر دیا اور خوف زدہ ہو کر بولیں کہ خدا کے لئے۔"

"تو پھر..." یہ کہکر جب میں نے انھیں پکڑ کر "چک پھیری" دینا چاہی تو وہ پھسل گئیں اور انھوں نے تیزی سے مجھ سے کہا کہ "آدمیت سیکھو.... کیا باتیں ہو رہی تھیں؟" یہ کہتی ہوئی وہ صوفہ پر بیٹھ گئیں سامنے ان کے فرش پر پھسکڑا مار کر میں بیٹھ گیا اور میں نے شروع سے لیکر آخر تک جو کچھ سنا تھا اپنی پیاری گھروالی کو سنا دیا اور غور سے دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ ایکدم سے وہ متفکر سی ہو گئیں۔

میں غور سے ان کے چہرہ کو دیکھ ہی رہا تھا کہ ایک خواص دوڑی ہوئی آئی اور اس نے اطلاع دی حضور ولی عہد بہادر تشریف لائے ہیں۔

ولی عہد بہادر

ولی عہد بہادر! یعنی میرے قابلِ احترام سالے صاحب میرے سخت ترین مخالف وہ جو میری شادی کا حال سُن کر صدمہ کی وجہ سے بے ہوش ہو گئے تھے اور علی الاعلان کہہ رہے تھے کہ وہ اس کو ہرگز ہرگز گوارا نہیں کر سکتے۔ سانپ تو جا چکا تھا اور عقل ملاحظہ ہو کہ اب لکیر پیٹنے آئے تھے مگر مجھ کو تسلیم ہے کہ ان کی آمد کی خبر سُن کر میں تھوڑا سا گھبرایا، نہ اس وجہ سے کہ وہ مجھ سے تگڑے ہیں۔ اجی لاحول ولاقوۃ۔ اگر گھونسا ماروں تو دم نکل جائے۔ اس وجہ سے گھبرا کر کہیں ان... حضرات کی مزاج پرسی نہ کرنی پڑے اور مبادا کہ لنگران کے شاہی خاندان میں ان کے چھوٹے بھائی نہ ولی عہد ہو جائیں یہ تھے وہ خیالات جو ولی عہد بہادر کی آمد پر میرے دل میں آئے۔

آتے ہی ان حضرات نے اپنی بہن کو طلب کیا اور ساتھ ہی مجھے طلب "نہیں کیا" یعنی یہ کہ ایک حواس باختہ کنیز نے خوف کے لہجہ میں بڑی تیزی سے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے مجھ سے کہا "خدا کے لئے ..... نواب صاحب .... آپ کو کہا ہے کہ نہ آئیں ......!"

میں نے اس چھوکری سے کہا "ہشت" اور جب وہ کمرے سے چلی گئی تو آہستہ

سے پنجوں کے بل برابر والے کمرے میں پہنچا اور اس کے دروازے سے پردے کی آڑ سے جھانک کر اندر دیکھا۔

میں نے دیکھا کہ ولی عہد بہادر بڑی شان اور تمکنت سے ایک عجیب "ترچھے" انداز سے صوفہ پر بیٹھے ہیں۔ مخمل کی تاج نما ٹوپی ہیروں سے جگمگا رہی تھی اور اس کی زریں کلغی اس طرح کانپ رہی تھی گویا اس غصہ کو ظاہر کر رہی ہے جو اس مغرور سالے کے سینے میں میری طرف سے موجزن ہے۔ بائیں ہاتھ کی طرف مرصع تلوار رکھی تھی اور آدھا سینہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ جس پر ایک بڑا سا ہیرا جگمگا رہا تھا۔ سامنے انکی بہن نہایت ہی مودب اور کچھ سہمی ہوئی سی کھڑی تھی۔ صورت شکل سے معصومیت برس رہی تھی۔ خطاوار سزا دار بے چاری مجرم بنی کھڑی تھی۔ کیا جُرم کیا تھا؟ میری محبت کے ناقابل معافی جُرم! یا میرے اللہ! یہ حسن کی مورت۔ محلوں میں رہنے والی۔ سچ مچ کی شہزادی! مجھ ایسے گنوار سے محبت کرنے کے جرم میں اپنے مغرور بھائی کے سامنے مجرم بنی کھڑی تھی! ولی عہد بہادر ایک عجیب ہی شان سے بہن کو دیکھ رہے تھے۔ بہن بھائی گویا ایک سانچے کے ڈھلے تھے۔ وہی ستواں پتلی سی ناک گورا رنگ کشادہ پیشانی پتلے پتلے ہونٹ۔ کتابی چہرہ۔ بائیس یا تئیس سال کی عمر مگر اس وقت ولیعہد صاحب کا چہرہ کچھ اس طرح "لنترانی جلال" کا آئینہ بنا ہوا تھا کہ مجبوراً مجھے آہستہ سے کہنا پڑا "معلوم ہوتا ہے کہ شامت آئی ان کی"۔

ادھر میرے منہ سے یہ الفاظ نکلے اور ادھر ایک سانپ کی سی پھنکار میرے کان میں آئی اور چشم زدن میں رزن خاں کا انتہا سے زیادہ متوحش متزلزل اور خوفزدہ چہرہ میرے سامنے تھا۔ آنکھیں مارے خوف کے نکلی پڑتی تھیں اور انھوں نے

مجھے بازو پکڑ کر کانپتے ہوئے ہاتھوں سے گھسیٹا۔

بڑی تیزی سے وہ مجھے برابر والے کمرے میں لے گئیں۔ انتہائی پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے خوف زدہ ہو کر انھوں نے مجھ سے کہا "خدا کے واسطے.... غضب کرتے ہیں آپ.... جھانک رہے تھے آپ اور جو دیکھ لیتے تو کیا ہوتا؟

"ہوتا کیا" میں نے لاپرواہی سے کہا "میرا کیا بگاڑ سکتے ہیں"

سر پیٹ کر رزن خاں نے کہا "آپ کو معلوم نہیں وہ شہزادی صاحبہ کو کہیں لیجانے پر مجبور نہ کریں۔ وہ آپ کے سخت خلاف ہیں اور عجب..... یا علیؑ"

کمرے سے شہزادی صاحبہ کے بڑے زور سے رونے کی آواز کیا بلکہ چیخ کی آواز آئی ادھر رزن خان "یا علیؑ" کہہ کر بیٹھ گئیں اور بندہ اس خیال سے کہ کہیں جورو ہاتھ سے نہ جاتی رہے بے طرح لپکا۔

بلائے بے درماں کی طرح میں بجلی کی طرح کمرے میں پہنچا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ولی عہد بہادر شہزادی صاحبہ کو گھسیٹ رہے ہیں میں کیا عرض کروں، مارے غصہ کے میرا کیا حال ہو گیا۔ ایک خونی گرج کے ساتھ کمرے میں گھستے گھستے میں نے ڈپٹا۔ "خبردار" اور دندناتا ہوا میں ولی عہد بہادر پر اس طرح جھپٹا کہ ان کی زبان سے نکلا "لینا" اور یہ کہہ کر وہ کچھ گھبرا کے صوفے کے پیچھے ہٹ گئے۔

ا جب تک میں پہنچوں ان کی آواز کے ساتھ ہی دو خواجہ سرا توپ کے گولے کی طرح میری طرف ایک گستاخ خبردار کے نعرے کے ساتھ جھپٹے۔ میں نے بھی فوراً سوچا کہ بہتر ہے ذرا سالے کو نمونہ تو دکھا دوں۔ چنانچہ میں خود ان نامعقول کے استقبال کو بڑھا۔ دونوں کے ہاتھوں میں چوبداری کا عصا تھا جیسے ہی آگے

والا زد میں آیا اس زور کا میں نے تھپڑ اس کے مارا کہ چرخ کھا کر دور گرا کہ اتنے میں دوسرا بھی زد پر آگیا۔ اس کے میں نے سینہ پر جو کس کر گھونسہ مارا تو وہیں کا وہیں ڈھیر ہو گیا مگر اس کا گرنا تھا کہ ولی عہد بہادر کا پستول میرے اوپر چل گیا ایک دھماکا ہوا اور گولی میرے کان پر سے ہوتی ہوئی نکل گئی۔ قبل اس کے کہ میں سنبھلوں یا وہ دوسرا فیر کر سکیں، میری عزیز از جان رفیقۂ حیات یعنی شہزادی صاحبہ تمام حیاداری کو چھوڑ کر پروانہ وار میرے اوپر گریں اور سینہ سپر ہو کر چیخ کر بولیں "رحم کیجیے" یہ کہکر اپنے کو بالکل ہی میرے سامنے کر دیا ادھر میں نے موقع کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے چھوٹی میز اٹھائی اور شہزادی صاحبہ سے چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے ڈپٹ کر ولی عہد بہادر سے کہا "سر پھاڑ دوں گا"۔

یہ سب چشم زدن کا کام تھا۔ فیر کی آواز سنتے ہی محل میں ہل چل مچ گئی تھی، اور رزن خاں مع اپنی خواصوں کی فوج کے روتی پیٹتی ایک انبوہ کی شکل میں ولیعہد بہادر کے قدموں کی طرف "رحم، رحم" کرتی ہوئی دوڑیں۔ سین قابل دید تھا ادھر میرے ہاتھ میں میز کا پایہ اور ادھر ولی عہد بہادر کے ہاتھ میں ریوالور اور ان کے قدموں پر رزن خاں کا سر اور انھوں نے مع اپنی ذریات کے چیخنا شروع کیا۔ "کھڑے ہیں حضور معاف کیجیے" ان کا ریوالور والا ہاتھ ذرا نیچا ہوا کہ شہزادی صاحبہ تیر کی طرح بھائی پر جھپٹیں روتے ہوئے انھوں نے ہاتھ سے ریوالور والا ہاتھ پکڑا اور قدموں کی طرف بھائی کے جھکیں۔ بھائی نے ریوالور ہاتھ سے چھوڑ کر بہن کا روکا کہ بہن نے ریوالور تو اٹھا کر دور پھینکا اور میری طرف لپک کر ایک جھٹکا دے کر میز کو پھکوایا اور "مانگو معافی" کی ایک ڈانٹ جو آنکھیں ٹیڑھی کر کے مجھے بتلائی تو میں شہزادی صاحبہ کے نازک

ہاتھوں سے ولی عہد بہادر کے قدموں میں گویا از خود کھنچا چلا گیا" معاف کر دیجیے"
"شہزادی صاحبہ نے کہا۔" کھڑے ہیں" یہ تمسخر آمیز رونی آواز میں رزن خاں
نے کہا۔ ایک جھٹکا جو شہزادی صاحبہ نے مجھے دیا تو مجھے بھی کہتے ہی بنا" معاف
کر دیجیے"۔

رزن خاں اور لونڈیاں باندیاں ذرا الگ ہوئیں اور میں ولی عہد بہادر کے
قدموں میں گویا تن تنہا تھا۔ نظر میری نیچی تھی۔ ولی عہد بہادر خاموش تھے کہ
شہزادی صاحبہ نے نیچی آواز سے مجھ سے کہا" جب تک معاف نہ کریں پیر مت
چھوڑنا" یہاں پیر پکڑے ہی کون مسخرہ تھا۔ مگر یہ اشارے پاتے ہی میں نے سالے
کے پیر پکڑ لیئے اور فوراً ولی عہد بہادر بولے" معاف کیا"!

" ایسے نہیں" جلدی سے شہزادی صاحبہ بولیں" مت اٹھنا"

مجبور ہو کر ولی عہد بہادر نے میرا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا۔ میں اٹھ کر کھڑا ہوا۔
میں نے اب ولی عہد بہادر کو دیکھا۔

" لاحول ولاقوۃ" ولی عہد بہادر بولے" مجھے کیا غرض ..... جب تم خوش
ہو اپنی حالت پر تو مجھے کیا بحث .... میں تو سمجھتا تھا کہ ......"!

" میں اپنی قسمت پر شاکر ہوں" شہزادی صاحبہ نے کہا۔

ولی عہد بہادر کچھ کڑک کر بولے" بے وقوف کہیں کی پہلے سے کیوں نہ کہا"
میری طرف دیکھ کر کچھ ہنس کر لیے اور پھر صوفے پر بیٹھ گئے۔ پھر انھوں نے کہا۔
لاحول ولاقوۃ" احمق کہیں کی۔ نرے دقوف زمانہ بھر کی۔ میں تو گولی ....
بڑی بیوقوف ہی۔ بڑی احمق لڑکی ہے۔ عمر بھر کے لئے میرا منہ کالا کرایا ہوتا بیوقوف اول

شبر کی احمق"

رزن خاں ولیعہد بہادر کی بلائیں لیتے اور صدقے ہوتے ہوئے کہا صدقے میں حضور کے یہ احمق آپ کیوں کہہ رہے ہیں۔ آپ کو خود سمجھ جانا چاہیئے تھا۔ بھلا آپ سے یہ کیسے کہتیں کہ مجھے میرا کھُریا پسند ہے "

ولی عہد بہادر نے ایک قہقہہ لگایا مجھے بھی ہنسی آگئی اور اُدھر شہزادی صاحبہ کے چہرہ پر جو ہنسی آئی تو شرم و حیا کی پریوں نے منہ بند کرکے چہرے کو دوسری طرف موڑ دیا۔

ولیعہد بہادر نے مجھے بٹھایا اور مشکوک نظروں سے میرا جائزہ لینا شروع کیا گویا مجھے وہ قطعی پسند نہیں کرتے تھے اس طرح دیکھ رہے تھے۔ کہ جی میں تو یہی آیا کہ کہہ دوں کہ "کیا کتے کی طرح سونگھتا ہے" میری طبیعت گھبرانے لگی اور جس کا مجھے ڈر تھا وہی ہوا یعنی انھوں نے اوندھے سیدھے سوال کرنا شروع کئے بولے :-

"تم لنگران اعظم کی اولاد میں سے ہو .... مگر ...."

میں نے کہا "مگر وگر کیا ؟"

شہزادی صاحبہ نے اس طرح مجھے گھورا کہ خدا کی پناہ اور انتہا سے زیادہ پریشان ہوکر میری اس بدتمیزی (جی ہاں یہ بدتمیزی ہی تھی) کی اس طرح معافی چاہی کہ مجسّم بے کلی بن گئیں۔ اس بات کو ان کے بھائی نے بھی محسوس کیا کہ مجھے تمیز سے بولنا چاہیئے تھا۔ مگر عرض ہے کہ جس شخص کو چیت مار کر اور چیت کھا کر گالی گلوچ کے ساتھ لڑانے کی عادت پڑی ہو۔ وہ مجبور ہے۔ چنانچہ میں نے اسکی یوں تلافی کی کہ ہاتھ جوڑ کر ولیعہد بہادر سے کہا۔

"بھائی صاحب .... حضور معاف کیجئے گا۔ مجھسے کوئی گستاخی ہو ...."

ولی عہد بہادر کے چہرہ پر اس جواب سے جو ناخوشگوار شکن آئی تھی دور ہوگئی لیکن

وہ باز نہ آئے اور انھوں نے کہا:۔
"کیا سچ مچ تم امرود چرا کر بیچا کرتے تھے"؟
میں نے تیز ہو کر کہا" یہ کوتوال اوّل نمبر کا بدمعاش ہے۔ بالکل جھوٹا ہے مجھ سے اس کی پرانی دشمنی ہے نہ معلوم اس نے میری بابت کتنی جھوٹی باتیں مشہور کر دی ہیں"۔
وہ بولے:۔
"آخر کس وجہ سے کوتوال تمہارا دشمن ہو گیا"۔
میں نے کہا" اجی یہ پولیس والے بدمعاش تو ہوتے .....۔"
ایک دم سے ولی عہد بہادر پھٹ پڑے۔ یہ" اجی" کیا بلا ہے؟"
بوکھلا کر میں نے کہا" حضور"۔
ولی عہد بہادر پھر رضامند ہو کر بولے" تم لنگران میں آخر کرتے کیا تھے؟"
" رہتے تھے"۔ میں نے سادگی سے کہا۔
" رہتے تھے؟" ولی عہد صاحب نے میرے جواب پر متعجب ہو کر کہا۔
" جی ہاں" میں نے کہا" رہتا تو تھا ہی"۔
رزّن خاں اس موقع پر آڑے آگئیں۔ بولیں" صاحب عالم گستاخی معاف گذشتہ را صلوات آئندہ را احتیاط۔ اب تو یہ آپ کے ہیں" آپ کے خادم"۔
ولی عہد بہادر کو یہ سن کر انگڑائی آئی۔ شہزادی صاحبہ کو منہ موڑ کر جمائی لینا پڑی اور میں نے مجبوراً چھت کی طرف دیکھا۔ دفعتاً ولی عہد بہادر اٹھ کھڑے ہوئے۔ انگلی سے مجھے انگوٹھی اتار کر دی' ایک رائفل اور ایک موٹر دینے

کا وعدہ کیا پھر حکم دیا کہ ان کیساتھ چلوں تمیز و ادب اور کارہائے ریاست کو دیکھوں۔

شہزادی صاحبہ نے خوش ہو کر جلدی جلدی مجھے ضروری ہدایات دیکر بھائی کے ساتھ رخصت کیا۔ ولی عہد بہادر کے ساتھ میں ان کے محل پر پہنچا۔ دروازہ میں سپرنٹنڈنٹ پولیس، اور موذی "کوتوال صاحب" موجود تھے۔ ان دونوں نے نہایت ہی ادب سے ہم دونوں کو سلام کیا۔ کوتوال کی شرارت دیکھئے کہ آنکھ بچا کر مجھے مسکرا کر گھونسا دکھایا ولی عہد بہادر نے سپرنٹنڈنٹ پولیس سے کہا۔

"میں نے آپ کو اس غرض سے طلب کیا ہے کہ براہِ کرم مجھے جلد از جلد تمام پولیس افسران کی فہرست دیجئے جو رشوت لیتے ہیں"۔

سپرنٹنڈنٹ صاحب بولے "حضور والا اگر مجھے معلوم ہو کہ فلاں افسر رشوت لیتا ہے تو اس کو میں لینے ہی کیوں دوں۔ از خود کب کی شکایت کر چکا ہوتا۔

ولی عہد بہادر بولے "تو آپ کو یہ تک پتہ نہیں کہ کون رشوت لیتا ہے اور کون نہیں آپ کو اپنے محکمہ کے متعلق کچھ بھی معلومات نہیں آپ کو تو معلوم ہونا چاہیئے کہ کون تھانے دار بے ایمان ہے اور کون نیک ہے"۔

"صاحب عالم" سپرنٹنڈنٹ صاحب گھبرا کے بولے "اگر مجھے معلوم ہے اور میں نے اب تک حضور کی خدمت میں اس افسر کی رپورٹ نہیں کی تو مجھ سے زیادہ خطاوار کوئی نہیں"۔

ولی عہد بہادر نے غصّے سے چہرے پر بل ڈال کر کہا۔ "آپ کو نہیں معلوم تو مجھے تو معلوم ہے۔ اچھا ابھی ابھی تمام تھانوں کی فہرست تیار کیجئے اور ہم ہر تھانہ کا بہ نفس

نفیس موقع کا معائنہ کریں گے۔ ایک دن بیچ کر کے برابر تاریخیں ڈالتے جائیے۔

اتنا کہہ کر ولی عہد بہادر مجھے اپنے ساتھ لئے محل میں داخل ہوئے۔ مجھے بڑے کمرے میں بٹھایا اور خود اندر چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد واپس آئے اور اندر چلنے کی فرمائش کی۔

میں اندر گیا۔ نواب ولی عہد بیگم صاحبہ کے روبرو پیش کیا گیا۔ ایک متین اور بھولی بھولی حور پیکر کو میں نے انداز شاہانہ سے بیٹھے دیکھا۔ میں فوراً حسب ہدایت شہزادی صاحبہ کو گھٹنے ٹیک کر آداب بجالایا اور بڑھ کر سات اشرفیوں کی نذر پیش کی۔

نذر قبول ہوتے ہی اُلٹے پاؤں میں واپس چلا آیا۔ ولی عہد بہادر کیساتھ باہر آیا تھوڑی دیر بعد ولی عہد بیگم صاحبہ کی طرف سے میرے لئے انعامات آئے زری کے تھان، بنارسی صافہ دو ہیرے کی انگوٹھیاں اور سولہ اشرفیاں نقد۔

اس کے تیسرے روز کا ذکر ہے کہ ولی عہد بہادر کا پیغام آیا کہ کل صبح ہمارے پاس ٹھیک آٹھ بجے پہنچ جاؤ اور کسی تھانہ کا معائنہ کرنے چلو۔ مجھے بھلا ان فضول کاموں سے کیا سروکار ہو سکتا تھا۔ مگر جانا پڑا۔

ولی عہد بہادر ایک زربفت کی شیروانی زیب تن کئے تاج نما ٹوپی پہنے برآمدہ میں کھڑے تھے۔ ہاتھ میں کوئی کاغذ تھا اور سامنے سپرنٹنڈنٹ کھڑے تھے۔ ہو رہا تھا۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس سے کہا کہ ہم اس تھانہ کا معائنہ آج کرینگے جسکی تاریخ معائنہ آج سے پندرہ روز بعد کی مقرر ہے اور وہ تھانہ جس کی تاریخ معائنہ آج کی مقرر ہے اسکا معائنہ پھر کسی اور دن کیا جائیگا۔ تاکہ بلا اطلاع ہو بیکر دیکھا جائے کہ تھانہ پر کیا ہو رہا ہے

ولی عہد بہادر نے مجھے اور کوتوال صاحب کو اور دو چوبداروں کو موٹر پر ساتھ لیا اور موٹر روانہ ہو گیا۔ راستہ میں ولی عہد بہادر نے سپرنٹنڈنٹ پولیس سے کہا کہ جس تھانہ پر ہم چل رہے ہیں اس تھانہ کا انچارج یعنی تھانیدار نہایت ہی نیک آدمی ہے۔ لیکن ہیڈ محرر سخت بدمعاش ہے۔ سپرنٹنڈنٹ صاحب نے جب اس سے لاعلمی ظاہر کی تو ولی عہد بہادر نے ایک حقارت آمیز مسکراہٹ سے کہا "جی ہاں آپ کو تو اپنے محکمہ کی بابت کچھ علم ہی نہیں"۔

تھانہ شہر سے بیس میل پر تھا کوئی دس میل پر پہنچ کر ولی عہد بہادر نے موٹر رکوالی ایک گنوار کو جو سڑک پر جا رہا تھا طلب کیا۔ وہ ہاتھ جوڑ کر سامنے آیا اس نے اس گاؤں کا نام پوچھکر جب تحقیق کر لیا کہ اسی تھانہ سے متعلق ہے تو پھر یہ پوچھا کہ بتاؤ تمہارا تھانیدار کیسا آدمی ہے اور ہیڈ محرر کیسا آدمی ہے۔

دیہاتی نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ تھانیدار بڑا "میاں" آدمی ہے بس "گنوار" ہے اور تھانہ کا منشی تو پورا راکشش ہے۔ بڑا ظالم ہے۔

ولی عہد بہادر نے سپرنٹنڈنٹ پولیس کو متوجہ کر کے کہا "دیکھئے" کیا کہتا ہے یہ ادھر سپرنٹنڈنٹ پولیس بہادر کی سٹی گم۔

آگے چل کر موٹر روک کر ایک کھیت والے سے سوال کیا تو اس نے بھی یہی کہا کہ ہیڈ محرر سے خلق خدا بہت نالاں ہے۔ اور تھانیدار سے سب لوگ بیحد خوش ہیں بلکہ اس شخص نے ہیڈ محرر کے مظالم کے دو ایک قصے بھی سنائے پھر آگے بڑھے۔

قصہ مختصر راستہ میں کوئی دس جگہ موٹر روک کر ولی عہد بہادر نے لوگوں سے دریافت کیا اور یہی جواب پایا کہ تھانیدار بھلا آدمی ہے اور ہیڈ محرر بڑا ظالم ہے۔

بالآخر موٹر اس گاؤں پر پہنچا جس میں تھانہ تھا۔ موٹر باہر ہی چھوڑ دیا گیا اور ہم سب اتر کر گاؤں کی گلیوں میں ہوتے ہوئے سیدھے تھانہ کے پھاٹک تک پہنچے ایک کانسٹبل صاحب تھانہ کے پھاٹک میں بڑی ہی بے تکلفی سے بیٹھے ہوئے بانسری بجا رہے تھے اور دوسرے کانسٹبل صاحب ان کے پاس بیٹھے سر ہلا ہلا کر اپنے گھٹنہ کا طبلہ بجا رہے تھے۔ اب میں کیا عرض کروں کہ ان دونوں نے جو ہم لوگوں کو دیکھا تو کیا حال ہوا۔ بدحواسی میں دونوں چارپائی پر سے گر پڑے۔ پھر اٹھے اور ہاتھ جوڑ کر سلام پر سلام کر کے کانپنے لگے۔ ولی عہد بہادر نے خاموشی کا اشارہ کیا اور حکم دیا کہ بس یہیں اور اسی طرح کھڑے رہو یہ کہہ کر پھاٹک میں داخل ہوئے۔

ایک وسیع احاطہ تھا۔ چاروں طرف کانسٹبلوں کی کوٹھریوں کی قطار چلی گئی تھی بیچوں بیچ میں تھانہ کا دفتر تھا مگر فی الحال تو اس دفتر میں کچھ اور ہی ہو رہا تھا دو تین باورچی بڑے انہماک کے ساتھ کھانا پکا رہے تھے۔ اِدھر اُدھر دو ایک کانسٹبل جو کھڑے تھے ان کو اشارے سے ولی عہد بہادر نے اپنے پاس بلایا۔

باورچیوں کے ہوش خطا ہو گئے۔ معلوم ہوا کہ لنگر ان سے آئے ہیں ہیڈ محرر نے دعوت کے کھانے پکوانے کیلئے بلوایا ہے۔ بڑے زور کی دعوت کا سامان تھا منشی جی کے بارے میں جو پوچھا گیا تو معلوم ہوا کہ سامنے کے کمرے میں بیٹھے احباب کے ساتھ تاش کھیل رہے ہیں اور ایک عدد رنڈی بھی وہیں تشریف فرما ہیں ولی عہد بہادر نے ایک سپاہی سے کہا کہ ہیڈ محرر صاحب کو یہیں سے آواز دو۔ چنانچہ اس نے حلق پھاڑ کر آواز دی۔

"منشی جی ..... منشی جی ..... منشی جی۔ جی۔ ی ..... !"

بڑی مشکل سے منشی جی نے سنا اور وہیں سے بولے "کیا ہے؟"
ولی عہد بہادر نے سپاہی سے کہا "کہو آپ کو کوئی بلاتا ہے"۔ چنانچہ سپاہی نے چیخ کر کہا "آپ کو کوئی بلاتا ہے"۔

"منشی جی" "کون ہے؟ اسے یہاں بھیج دو"۔

ولی عہد بہادر نے سپاہی سے کہلوایا "وہ آپ کو بلاتا ہے۔ وہاں نہیں آتا آپ یہیں آئیے"۔

منشی جی نے جواب دیا "اچھا تم ادھر آؤ"۔

ولی عہد بہادر نے سپاہی سے کہلوایا "وہ یہیں نہیں آنے دیتا"۔
منشی جی اتنا سن کر بڑبڑاتے گالیاں دیتے، ننگے پیر وہاں سے چیختے ہوئے آئے اور موٹر کے قریب پہنچ کر بولے "کون بدمعاش ہے"؟

جیسے ہی ان کے منہ سے یہ نکلا۔ ولی عہد بہادر نے تیزی سے ان کے سامنے پہنچکر کہا "اجی حضور میں بدمعاش ہوں"۔

ہیڈ محرر پر گویا بجلی گری۔ تاش کھیلتے کھیلتے آئے تھے۔ بازی ہاتھ میں بھینچی مارے دہشت کے ہاتھ سے چھوٹ پڑی چہرہ فق ہو گیا اور سیدھے ولیعہد بہادر کے قدموں میں روتے ہوئے گرے، یہاں ہنسی کے مارے بُرا حال۔ ولیعہد بہادر سیدھے اب کمرے کیطرف پہنچے۔ اندر جھانک کر جو دیکھتے ہیں تو حقہ رکھا ہوا ہے۔ پاندان کھلا پڑا ہے اور ایک بی صاحبہ مع تین چار غنڈوں کے بیٹھی ہیں۔ بس دیکھتے ہی سب کی روح پرواز کر گئی۔ ہیڈ محرر صاحب ولیعہد بہادر کے قدموں کیطرف جھکتے تھے۔ ولیعہد بہادر نے اطمینان دلایا کہ تمہارے ان مشاغل سے مجھے کوئی

تعلق نہیں۔

یہ کہہ کر بھیڑ باورچی خانہ میں آئے۔ قورمہ بریانی۔ متنجن مرغ پلاؤ۔ فرنی وغیرہ وغیرہ دنیا کے لوازمات تھے ایک ایک پتیلی کھول کر ولی عہد بہادر نے دیکھی باورچیوں سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ دعوت پر تیس روپیہ لاگت آئی ہے۔ علاوہ ان کی..... مزدوری کے جو دو روپیہ فی کس ہوئی ولیعہد بہادر نے ہیڈ محرر صاحب سے ان کی تنخواہ کے بارے میں دریافت کیا معلوم ہوا کہ صرف اٹھارہ روپے پاتے ہیں ولی عہد بہادر نے ان اٹھارہ روپے میں اس قدر برکت ہونے پر ہیڈ محرر صاحب کو مبارکباد دی۔ کھانوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ بھئی ایسے کھانے تو ہمیں بھی نہیں ملتے اتنے میں تھانیدار صاحب آ گئے ٹوٹا ہوا جوتہ، اجڑا سا حلیہ ولیعہد بہادر نے ان سے ملائمت سے پوچھا کہ تم افسر ہو اور یہ سب کچھ دیکھتے ہو۔ مگر اطلاع نہیں کرتے۔ ہاتھ جوڑ کر تھانیدار نے کہا "حضور کو سب علم ہے کہ اس کی کوئی وجہ ہے"۔

ولیعہد بہادر نے ایک قہر آلود نگاہ سپرنٹنڈنٹ پولیس کیطرف ڈال کر پھر تھانیدار صاحب سے پوچھا:۔

"تم کیا چاہتے ہو؟"۔

تھانیدار صاحب نے کہا "میری گذر یہاں نہیں ہوتی۔ صدر کا تبادلہ چاہتا ہوں"۔

ولیعہد بہادر نے کہا "ہم نے تمہاری ترقی کی۔ حلقہ انسپکٹر اول گریڈ کا مقرر کیا اور صدر میں تعینات کیا"۔

اتنا کہہ کر ہیڈ محرر کیطرف مڑ کر دیکھا اور کہا "میرے ساتھ تشریف لائیے"۔

ہیڈ محرر صاحب روتے ہاتھ جوڑتے ساتھ ہو لیئے۔ موٹر کے پاس پہنچکر ولیعہد بہادر

نے ہیڈ محرر سے طنزاً کہا "تشریف رکھئے"۔ قصہ مختصر ہیڈ محرر صاحب کو لے کر واپس ہوئے۔ محل پہ پہنچ کر ہیڈ محرر صاحب کو تو حوالات میں بھجوادیا اور سپرنٹنڈنٹ صاحب کو ملازمت سے برطرف کر دیا کیونکہ یہ واقعہ تھا کہ ہیڈ محرر صاحب سپرنٹنڈنٹ صاحب کے منہ چڑھے تھے اور دن دھاڑے لوٹ مار کرتے تھے اور کوئی تھانے دار چوں نہ کرسکتا تھا۔

میں رخصت ہو کر اپنے محل پر پہنچا۔ شہزادی صاحبہ نے تمام کیفیت بڑی دلچسپی سے سنی۔ ولی عہد بہادر کے سپرد پولیس کا محکمہ تھا اور وہ بڑی تندہی سے کام دیکھتے تھے۔

بعد میں اسی طرح نہ معلوم انھوں نے کتنے بدمعاش افسروں کو جیل کی ہوا کھلائی میں بہت خوش تھا کہ پولیس والے واقعی اسی لائق ہیں لیکن کوتوال سے ولی عہد بہادر بھی بے انتہا خوش تھے۔ کچھ تو ان کے کام کی وجہ سے اور کچھ اس وجہ سے کہ کوتوال صاحب جہاں پناہ تک رسائی رکھتا تھا در اصل سپرنٹنڈنٹ پولیس اور کوتوال میں دشمنی تھی اور سپرنٹنڈنٹ پولیس کے برطرف ہوتے ہی کوتوال صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس بنا دئے گئے۔

کوّے ہکنی

"..... کوّے ہکنی کا قصہ سناتی ہوں"۔ رزن خاں نے کہا۔" غور سے سنئے اور دیکھئے کہ چشم زدن میں کیا سے کیا ہو جاتا ہے (خدا جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔)

سب سے پہلے تو آپ ملکہ زمانی بیگم کا حال سنئے شاہی وقار، دبدبہ خاندانی وجاہت اور مرتبہ کے لحاظ سے جو درجہ ملکہ زمانی بیگم کا تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ نواب کی بیٹی۔ نواب کی بہن اور نواب کی بیگم تھیں۔ جہاں پناہی کا پہلا نکاح انہی سے ہوا اور آخر وقت تک ان کا پلا اسی وجہ سے بھاری رہا کہ بھائی کی یعنی نواب صاحب کفترہ کی حمایت رہی مگر قسمت نے اولاد سے محروم رکھا صورت شکل عزت اور رتبہ سب کچھ ان کو حاصل تھا لیکن بوجہ اولاد نہ ہونے کے رنگین محل بیگم کا اقتدار بڑھ گیا۔ رنگین محل بیگم..... جہاں پناہ کے چچا کی بیٹی۔ تنکران اعظم کے خاندان کا چمکتا ہوا تارہ! ..... اپنی چمک اور دمک کیساتھ بڑی شان کیساتھ طلوع ہوا۔ مگر آہ بہت جلد..... دیکھتے ہی دیکھتے..... بجھ گیا! ..... (اور اب اس کی ایک چمک ہے..... جو آنکھوں ہی آنکھوں میں اب بھی چبھ رہی ہے۔)

رنگین محل..... جس نے اپنی رنگین جوانی سے جہاں پناہی کی جوانی اور تخت و

تاج کو رنگین بنا دیا پندرہ سولہ برس کا سن ہوگا۔ جہاں پناہی کو خبر بھی نہ تھی اور وہ ملکۂ زمانی کے عشق و محبت کے گیت گا رہے تھے کہ رنگین محل کی محبت کا بھالا لگا اپنے حسن لاثانی کے لحاظ سے سچ مچ شاہی خاندان کا ہیرا تھیں۔ بہت جلد بیگم بن گئیں۔ اپنی خوبصورتی اور اپنی رنگینی کی وجہ سے رنگین محل کا خطاب پایا۔ سال بھر بھی شادی کو نہ ہوا تھا کہ خدا نے ان کو بیٹا دیا اور تنگران اعظم کے خاندان کو خدا نے جانشین عطا فرمایا یہ ایسی خصوصیت تھی کہ رنگین محل کو بڑی بیگم ملکہ زمانی پر بھی فوقیت حاصل ہو گئی۔

رنگین محل کو بدقسمتی سے خداوند تعالیٰ نے اچھی صورت شکل کیساتھ ضد بھی دی تھی جسمیں خاندانی غرور اور ولیعہد مرحوم کی ماں ہونیکے فخر نے اور بھی تلخی پیدا کر دی تھی۔

دلرس بانو بیگم کے محل میں داخل ہونیکے بعد عجیب سماں تھا.... رقصاں و لرزاں محبت کے دو تارے تھے اگر ایک طرف ولیعہد کی ماں کامیاب ترین جوانی کی تفسیر اپنی محبت و عشق کے افسانوں کو اولاد.... بہترین اولاد یعنی تاج و تخت کے وارث ولی عہد کی جیتی جاگتی تصویر سے مزین کئے آسمان محبت کیلئے زینت تھیں تو دوسری طرف دلرس بانو بیگم (اپنی اٹھتی ہوئی جوانی کو حسن کی گرمی سے مشتعل کئے گویا مجسم عشق و محبت کی چنگاری کی طرح چمک رہی تھیں)

لوگ دونوں کو دیکھتے تھے اور سر ہلا کر کہتے تھے "ایک روز یہ دونوں ٹکرائیں گی تب کیا ہوگا؟ یہ ایک سوال تھا!"

دلرس بانو کے عروج نے ملکہ زمانی اور رنگین محل کی قدرتی مخالفت کو دور کر دیا دونوں دیکھ رہی تھیں کہ دلرس بانو کی حریص نظریں اس بلندی کو چھو رہی ہیں جو

ان دونوں کو حاصل تھی اور ان کے علاوہ کسی دوسری چہیتی کو نہ نصیب ہو سکتی تھی اور نہ ہونا چاہیئے تھی وہ دیکھ رہی تھی کہ دلرس بانو آداب شاہی کا لحاظ نہیں رکھتی وہ ان پابندیوں سے معاف ہے وہ آداب شاہی اور محل کے دستور روایات تو انہیں کو ایک نئے سانچے میں ڈھال رہی ہے۔ دونوں اپنے حقوق کی بڑے غور سے نگرانی کر رہی تھیں اور ہر دم ہوشیار تھیں کہ کہیں دلرس بانو کی طرف سے کسی قسم کی دست درازی نہ ہو۔

دن گزرے مہینے گزرتے گئے اور سال گزرنے آئے اور اس دوران میں ایک موقع پر نہیں دس، جگہ دلرس بانو نے سب ہی بیگمات کو توزک دی ہر معاملہ میں سب ہی کو توزک ہوتی تھی۔ نتیجہ یہ کہ الجھنیں پیدا ہوئیں۔ بدگوئی غمازی اور ریشہ دوانیوں کے جال بچھ گئے۔ کھلم کھلا دلرس بانو سے ملکہ زمانی اور رنگین محل کی چشمک اور مخالفت کے تذکرے ہونے لگے دلوں میں مخالفت کے بیج بوئے گئے ملکۂ زمانی اور رنگین محل نے اپنی پوری قوت اور جمعیت کے ساتھ دلرس بانو کی چیرہ دستیوں سے تنگ آ کر اپنی محافظت کی فکر کی۔ ہر دربار میں دونوں کو ذلت کا سامنا کرنا پڑتا۔ ہر موقع پر، دعوت میں جلسہ میں کھل کھلا سینکڑوں خواصوں اور ملازماؤں کی موجودگی میں دونوں دیکھتیں کہ ہمارا کوئی نہ کوئی بڑا نامرتبہ اور اعزاز ہم سے چھین کر دلرس بانو کو دے دیا گیا۔ نوبت بہ اینجا رسید کہ داہنے کا قرب ملکہ زمانی سے چھین کر دلرس بانو کو ملا اور ان کے داہنے ہاتھ پر بیٹھنے سے رنگین محل نے انکار کر دیا یہ عید کے دربار کا موقع تھا۔ ملکہ زمانی تو سر کے درد کا بہانہ کر کے شریک نہ ہوئیں مگر رنگین محل نے اپنے درجہ پر بیٹھنے سے انکار کر دیا اور ملکہ زمانی کی غیر موجودگی میں جہاں پناہ سے

ہاتھ کا قرب مانگا اور تیوری پر بل ڈال کر دلرس بانو بیگم سے کہا کہ اپنی جگہ سے اٹھو اور میرے لئے جگہ خالی کرو۔

ظاہر ہے کہ دلرس بانو بیگم کو یہ ناگوار گذرا جسکے یہ معنی ہوئے کہ خود جہاں پناہی کو ناگوار گذرا۔ جہاں پناہ نے پہلے تو زبان سے کچھ نہ کہا لیکن بات جو بڑھی تو رنگین محل کو حکم دیا کہ بیٹھ جاؤ۔ رنگین محل کی سخت توہین ہوئی اور وہ آپے سے باہر ہوگئیں انھوں نے بیٹھنے سے انکار کردیا اور تیہے میں آکر دربار چھوڑ کر چلدیں جہاں پناہی پکارتے ہی رہے "سنو تو.... اِدہر آؤ .... اِدہر آؤ...." مگر وہ بھلا سنتی تھیں نکل چلی گئیں۔ دلرس بانو نے مذاق کے لہجہ میں یہ کہہ کر اشتعال دلادیا کہ "وہ نہیں آئینگی آپ کے قابو کی نہیں ہیں"۔ بس اتنا کہنا تھا کہ تو وہ بارود میں گویا آگ دیدی "پکڑ لاؤ" گرج کر جہاں پناہ نے خواجہ سراؤں کی طرف دیکھا "پکڑ لاؤ" دوبارہ گرج کر انھوں نے کہا اور چار خواجہ سرا حکم کی تعمیل میں دوڑے۔

رنگین محل سیدھی ملکہ زمانی کے پاس گئی تھیں۔ چوبداروں نے وہاں پہنچکر حکم جہاں پناہی سنایا۔ گویا نوٹس مل گیا کہ چلتی ہو تو چلو ورنہ سچ مچ پکڑے جائیں گے۔

چار و ناچار رنگین محل کو واپس آنا پڑا۔ جہاں پناہی جلال کی تصویر بنے ہوئے بیٹھے تھے ان کو دیکھ کر سہم گئیں اور ڈر کر بیچاری نے اپنا سر جہاں پناہی کے قدموں میں رکھ دیا۔ جہاں پناہی نے کہا "معاف کیا میں نے".... اتنا کہہ کر رنگین محل کا سر اوپر کو کر کے اور دلرس بانو کی طرف انگلی اٹھا کر کہا "ان سے بھی معافی مانگو"۔

جہاں پناہی کا یہ کہنا کہ گویا رنگین محل کے دل پر برچھی لگی ایکدم سے آنسو نکل پڑے اور انکار کردیا۔ اس طرح کہ پھر جہاں پناہ کے قدموں میں اپنا سر رکھ دیا دربار تو سب کا سب پہلی ہی گرج پر برہم ہوچکا تھا اور سوائے خواص اور رازداریوں کے اور کوئی نہ تھا

اس انکار پر جہاں پناہی کا غصہ بڑھتا گیا۔ ہر تکرار پر رنگین محل کا سر جہاں پناہ کے قدموں میں تھا۔ حتیٰ کہ جہاں پناہ نے اس وفا کی تیلی کے سر کو ٹھکرا دیا اور گرج کر حکم دیا کہ دلرس بانو سے معافی مانگے۔ مگر وہاں وہی انکار تھا باوجود ٹھوکروں کے سر اسی طرف جھکتا تھا۔ غصہ بڑھتا گیا تو جلال میں آکر جہاں پناہ نے دو خواصوں کو حکم دیا کہ رنگین محل کا سر دلرس بانو کے قدموں میں زبردستی رکھدیں حکم کی دیر تھی کہ خواصیں پہنچیں اور قدرے ادب سے انھوں نے رنگین محل کو اس طرف جھکانا چاہا.... تو رنگین محل نے زور لگا کر چھڑا لیا۔

قصہ مختصر اس کشمکش، ضد اور بحث نے جب زیادہ طول کھینچا تو دلرس بانو بیگم نے جہاں پناہی سے پھر کہا "ان کی ضد آپ کے بس کی نہیں"۔

بس یہ کہنا تھا کہ اور بھی آگ بگولا ہو گئے۔ خود کھڑے ہوئے اور گئی گالیاں اس قدر نازیبا دیں کہ ایک تمکنت کے ساتھ رنگین محل کے ماتھے پر بھی بل پڑ گئے۔ ایک گستاخانہ نظر سے انھوں نے جہاں پناہی کی طرف دیکھا اور اپنی آنکھیں اپنے دونوں ہاتھوں سے بند کر کے سر جھکا دیا اور گویا بہری پتھر بن گئیں۔ جہاں پناہ کی ہزار دھمکیوں کا جواب ایک خاموشی تھی۔ ہر لمحہ جہاں پناہ نے کہا کہ میں تین دفعہ اور کہونگا اگر پھر بھی نہ سنا تو بس خیر نہیں ہے۔ رُک رُک کر انھوں نے تین دفعہ کہا کہ "معافی مانگو" رنگین محل کا برا وقت آچکا تھا اور انھوں نے ایک نہ سنی۔ تیسری آواز کے بعد ہی جہاں پناہی کے منہ سے خوفناک حکم نکلا۔ "بلاؤں کو توال کو" یعنی خواجہ سراؤں کا کوتوال جس کے فرائض میں سے ایک یہ بھی ہے کہ گاہے بہ گاہے بیگمات اور دوسری نکاحیوں اور منظور نظر باندیوں اور کنیزوں وغیرہ وغیرہ کو مارے پیٹے۔

"اس کو یہیں مارو"۔ جہاں پناہ نے کہا اور کوتوال نے ایک کوڑے سے رنگین محل کی خبر لینا شروع کی۔ دو خواجہ سراؤں نے جہاں پناہ کے حکم سے رنگین محل کی چوٹی پر ہاتھ ڈالا۔ زخمی شیرنی کی طرح تڑپ کر رنگین محل اٹھی اور ضبط و تحمل سے بے نیاز ہو کر خواجہ سراؤں کو مارنے کی کوشش کی چیخ کر کہا "تار بھی ڈالئے مگر اس چڑیل ادن ناتو کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا اسے معافی نہ مانگوں گی"۔

مگر کہاں ایک کمزور نازوں کی پالی بیگم اور کہاں تین خواجہ سرا پکڑ کر ادھیڑ کر ڈال دیا رنگین محل بے ہوش ہو گئی۔ جہاں پناہی نے حکم دیا کہ اسے لیجاؤ اور حوالات میں رکھو جب ہوش آئے تو کہہ دینا کہ یا تو معافی مانگے ورنہ سر مونڈ کر کوے ہکنی بنا دیا جائیگا۔

رنگین محل کے خواجہ سرا حوالات میں لے گئے وہاں دو تین گھنٹہ بعد جب ہوش آیا تو جہاں پناہی کا حکم ان کو سنا دیا گیا کہ یا تو معافی مانگو اور یا کوے ہکنی بنو بہت کچھ سب نے سمجھایا مگر وہاں تو اب ضد تھی۔ صفا انکار کر دیا۔ نتیجہ یہ کہ سچ مچ رنگین محل کا سر مونڈا گیا اور سچ مچ وہ پائیں باغ میں "کوے ہکنی" کا لقب دے کر پہنچا دی گئیں۔

انا للہ و انا الیہ راجعون۔

رنگین محل ..... تنزل تھا کہ موت ..... خدا کی پناہ! صابون کا ایک رنگین بلبلہ تھا کہ جو رقصاں و لرزاں محبت کی فضا میں ابھی ابھی تیر رہا تھا کہ ایک ٹھوکرے کے ساتھ بجھ گیا لشکران کے عالیشان محلوں کے جگمگاتے ہوئے کمروں میں محبت کے نغموں سے فضا معمور تھی محبت کی پریوں کی نرم نرم اور میٹھی سانسوں سے کمرہ مہک رہا تھا۔ خوبصورت اور چلبلی خواصوں کا جگمگھٹ ساز کے جھما کے کے ساتھ تتلیوں کی طرح پھر

بھر رہا تھا۔ عشقیہ گیت نہیں تھے بلکہ ساز کے پردوں سے شعلے نکل رہے تھے اور اس "رنگین عالم" میں ملکہ رنگین محل ایک خوشنما تارے کی جھمکتی مسکراتی نور کی شعاعوں میں نہاتی بل کھاتی اٹھلاتی چمک میں دمک بنکر اس طرح عشق کی زہریلی ناگن کی طرح بل کھاکر آئی کہ سب نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اس زہریلی ناگن نے آتے آتے لنگران کو ڈس لیا میں عمر بھر وہ سماں نہ بھولونگی، کہاں تو یہ عالم تھا اور کہاں یہ کہ سر مونڈ کر پیچ پچ کو "آہکنی" کا خطاب دے کر اس کو کتے کیطرح زنجیر سے باغ میں بندھوا دیا گیا۔

رزان خاں نے اتنا کہا۔ ان کے سینے سے ایک دردناک آہ نکلی۔ ایک آنسو ٹپ سے گرا میں نے دیکھا۔ لیکن باقی وہ پی گئیں۔ بغیر کہے سنے خاموش اٹھ کر چل دیں جہاں پناہ کا حکم تھا اور ان کی ڈیوٹی تھی کہ مجھے آداب شاہی اور محل کے قاعدے سکھائیں اور علیحدگی میں تعلیم دیں۔ شاید میرے لئے یہ بہترین تعلیم تھی۔

دوسرا راز

ڈاکٹر صاحب

"زرن خاں نے کہا" دوسرا راز بہ نسبت پہلے راز کے زیادہ خوفناک ہے۔ لنکران اعظم کے خاندان میں شاید اپنی خباثت۔ اپنی درندگی کے لحاظ سے یہ سانحہ عظیم بےنظیر ہے اور رہے گا خدا نہ کرے ایسا واقعہ کبھی کسی خاندان میں سننے میں بھی آئے۔

رنگین محل کا زوال ایک غیر فطری ایک ناممکن اور عجیب و غریب واقعہ معلوم ہوتا تھا۔ ذرا غور کیجئے گا کہ کون رنگین محل ہ؟ آقائے لنکران کی منظور نظر ولی عہد سلطنت کی سگی ماں اپنے محل سے نکال کر عیش و آرام سے محروم کر کے کتوں کی طرح باغ میں سر مونڈ کر بند ھوا دی جائے۔ فوری اثر اس کا یہ ہوا تھا کہ ملکہ زمانی مرحومہ سخت بیمار ہو گئی تھیں۔ ان کا چہرہ فق ہو گیا تھا۔

محلوں کے باہر جھونپڑوں کی رہنے والیاں جس وقت شاہی بیگمات کو زرو جواہرات میں غرق دیکھتی ہیں اور ان کے ظاہری ٹھاٹھ باٹ کو دیکھتی ہیں تو ان پر رشک آتا ہے وجہ یہ ہے کہ ان کو نہیں معلوم کہ محلوں کی رہنے والیاں زر و جواہر میں کھیلنے والیاں ٹھنڈی سانسیں بھرتی ہیں۔ تمنا کرتی ہیں کہ کاش ہم بھی کسی مزدور

کے گھر پیدا ہوئے ہوتے اور کسی غریب مزدور سے شادی ہوتی جو سچی محبت کرتا اور زندگی کا لطف حاصل ہوتا۔ اپنی خلاف مرضی اور زبردستی ایک جابر و قاہر کی لونڈی بن کر محلوں میں گھلنا اور سڑ سڑ کر مرنا بیشتر بیگمات کا حصہ ہوتا ہے زمین سخت اور آسمان دور۔ وہ ان کی حالت ہوتی ہے ظالم ان کے اوپر ظلم کرتا ہے۔ ان کو بھیڑوں اور بکریوں سے بھی بدتر سمجھتا ہے ذرا سی بات پر ان کو ذلیل کر کے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے راندہ درگاہ کرتا ہے نہ وہ کسی سے فریاد کر سکتی ہے اور نہ کوئی ان کی سن سکتا ہے دنیا کی عدالتوں کا وجود ان کے لئے بیکار ہے دنیا میں انصاف پیدا ہی نہیں ہوا۔ دنیا کے قوانین موجود ہیں۔ لیکن وہ کسی قانون سے فائدہ نہیں اٹھا سکتیں۔

میں کہاں سے کہاں نکل گئی..... قصہ مختصر زنگین محل کی حالت ناگفتہ بہ تھی اور جہاں پناہ کو خود ان کی یہ درگت منظور نہ تھی۔ لہذا مجھے سکھا پڑھا کر جہاں پناہ نے بھیجا کہ ان کو اس پر راضی کر لوں کہ وہ دلرس بانو سے معافی مانگ لیں۔

میں باغ میں پہنچی خدا کی پناہ ایک میلی کفنی پہنے، سر منڈا ہوا زنگین محل کو ایسی حالت میں دیکھا کہ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ میں نے سلام کیا اور پھر جہاں پناہ کا پیغام پہنچایا۔ زنگین محل نے اپنی خاندانی ضد پر قائم رہنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ وہ بولیں کہ میں اپنی قسمت پر شاکر ہوں جو ذلت ہونا تھی ہو چکی اور میں ہرگز اس قطامہ سے معافی نہ مانگوں گی۔

میں نے ان کو بہت کچھ سمجھایا۔ مگر وہاں تو ایک ضد تھی "یہ سب کچھ عارضی ہے" مسکرا کر زنگین محل نے کہا۔ یہ تکلیف بھی عارضی ہے اور خدا وہ دن جلد لائے گا۔ جب میں اس کا بدلہ لوں گی"

یہ کہہ کر انھوں نے اپنے لڑکے یعنی ولیعہد کی عمر کا اندازہ لگایا اور جوتوں اور

پاگلوں کی طرح باتیں کرنے لگیں۔ کچھ جوش میں آکر بولیں "جس دن میرا بیٹا گدی پر بیٹھے گا میرے تمام دکھ جاتے رہیں گے اور اسی دن سب سے اپنے ظلم کا بدلہ لوں گی۔"

میں نے اس مصیبت کی ماری کی طرف غور سے دیکھا امید بھی کیا چیز ہے دنیا اس پر قائم ہے اور رنگین محل بھی رنگین خواب دیکھ رہی تھیں میں ان کو طرح طرح سے سمجھاتی رہی لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئیں کہنے لگیں کہ "اس دل میں ناسور پڑ گئے ضبط کا یارا نہیں رہا یہ دن ویسے بھی آنا تھا۔ میں پیشتر سے سمجھی ہوئی تھی۔ اب میرا بالکل ڈر نکل گیا اگر اس بلا سے چھوٹوں گی تو میری جان کی خیر نہیں۔ اس کے بعد انھوں نے ایسی حالت میں اپنا پلہ بھاری بتلایا بدقسمت اس وہم میں گرفتار تھی کہ چونکہ میں ولی عہد کی ماں ہوں لہٰذا خود جھک مار کر مجھے چھوڑیں گے میں نے اچھی طرح سمجھایا کہ یہ خیال تمہارا غلط ہے۔ مگر ان کی سمجھ میں نہ آنا تھا نہ آیا۔ ہار جھک مار کر میں چلی آئی اور جہاں پناہ سے آکر کہہ دیا کہ ان کا دماغ خراب ہو گیا ہے قابلِ رحم ہیں۔

اِدھر ماں کا تو یہ حال تھا اور اُدھر بیٹے کا حال سنئے۔ گیارہ برس کی عمر ہی کیا ماں کی مصیبت اور ذلت کا جو حال سنا تو جو منہ میں آیا بکنا شروع کیا جیسا اُستاد ویسا ہی کہنا شروع کیا۔ چیخ چیخ کر اور پکار پکار کر اور ہنس ہنس کر کوستے تھے ہر آنے جانے والے سے یہی کہتی تھی کہ میرا بیٹا جب گدی پر بیٹھے گا تو ایک ایک سے بدلہ لیگا بیٹے نے جو یہ سُنا تو خود بھی کہنا شروع کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شدہ شدہ بات جہاں پناہ کے کانوں تک پہنچی کہ ولی عہد بہادر ایسا کہتے ہیں۔

اب جہاں پناہ کا دستور سُن لیجئے ان کا روزانہ کا دستور تھا کہ باغ میں جاتے اور

رنگین محل کے زخموں پر نمک پاشی کرتے۔

جب کبھی بھی وہ گئے اور پوچھا کہ "بول کوّے ہکنی کیا حال ہے"۔

وہ اللہ کی بندی جان بوجھ کر دکھانے کو ہنس کر کہتی "الحمدللہ۔ اچھی ہوں بس اس وقت کا انتظار ہے کہ میرا بیٹا گدی پر بیٹھے"۔

بس ان الفاظ کو سنتے ہی جہاں پناہ لاجواب ہو جاتے جھنجلاتے۔ اس پر وہ خوشی کا گیت گاتیں اور معافی کا جو جہاں پناہ ذکر کرتے تو کہتیں جس طرح اس نے (دلرس بانو) نے مجھے کوّا ہکنی بنوایا ہے اسی طرح میں اپنے بیٹے سے گدی نشین ہوتے ہی اس کو بھی کوّے ہکنی بنواؤں گی"۔

یہ منحوس الفاظ کو سنتے ہی جہاں پناہ دھک سے رہ جاتے۔ ہمیشہ شکست کھا کر مارے غصے کے غریب کو مارنے لگتے مگر مار کا اثر الٹا ہوتا اور وہ بجائے رونے کے ہنستی اور یہی کہتی کہ یہ سب تکلیفیں عارضی ہیں۔

کوّے ہکنی کے پاس سے جب جہاں پناہ واپس ہوتے تو صورت شکست خوردہ اور انتہائی رنجیدہ ہوتی۔ بڑی دیر تک گم سم رہتے اور تنہائی میں سوچتے رہتے تھے غرض ان کے دل پر بہت برا اثر ہوتا تھا۔ مگر خاندانی ضد تھی کہ بپھر جاتے تھے۔

ہر ملاقات پر سختیاں بڑھتی جاتی تھیں۔ حتیٰ کہ ہوا خواہوں نے در پردہ اس کی کوشش کی کہ کوّے ہکنی سے نہ ملیں انھوں نے ملنا کم بھی کر دیا۔ لیکن جب کبھی ملتے نتیجہ وہی ہوتا رفتہ رفتہ کوّے ہکنی پر سختیاں بڑھتی گئیں اس کے منہ پر لونڈیوں اور باندیوں نے تھوکا۔ اس کو لونڈیوں اور باندیوں نے جوتے مارے اس کو کتے سے بدتر کھانے کو دیا گیا لیکن وہ بھی اپنی ضد کی پکی تھی ایک انچ اپنی جگہ سے نہ ہٹنا تھا نہ ہٹی۔

دن گذرتے گئے اور ان کی ماریں اور سختیاں بڑھتی گئیں دُنیا کی ذلتیں اور تکلیفیں ان کو پہنچائی گئیں اور پہنچائی جارہی تھیں کہ ایک روز دونوں طرف سے بدزبانی کی انتہا ہوگئی جہاں پناہ نے سب کچھ کہا لیکن جو انھوں نے کہا وہ ایسا سخت تھا کہ جہاں پناہ بھی سناٹے میں آگئے انھوں نے نہایت ہی منحوس لہجہ میں اور متوحش صورت بنا کر جہاں پناہ سے کہا "جس دن میرا بیٹا گدی پر بیٹھے گا تمہاری لاش کو جوتیوں سے پٹواؤں گی اور تمہاری جتنی جہیتیاں ہیں سب کو اپنے غلاموں کی باندیاں بناؤں گی۔

اس جملہ کو سُن کر جہاں پناہ کا چہرہ زرد پڑ گیا ایک سناٹے میں آگئے باندیوں کو حکم دیا کہ اس کو جوتیوں سے اتنا مارو کہ بے ہوش ہو جائے اور خود غمگین صورت بنائے چل دئے۔

باندیوں نے اس غریب بیگم کو سچ مچ مارے جوتیوں کے لہولہان کر کے بیہوش اور ادھ موا کر دیا۔ اس غیر معمولی واقعہ کی خبر ولی عہد مرحوم کو بھی کسی نے پہنچادی۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے بھی یہی بات کہی۔

تیسرے روز کا ذکر ہے۔ شام کا وقت تھا جہاں پناہ ملول و غمگین تھے اور میری طلبی ہوئی میں نے پہنچتے ہی کہا "اے میرے شہنشاہ آپ کو کیا ہوا اور دشمنوں کو کس بات کا غم ہے لونڈی کو کیسے حضور نے غیر معمولی طور پر طلب کیا"۔ مجھے بیٹھنے کا حکم دیا۔ میں دونوں ہاتھوں سے پیروں کو پکڑ کر بوسے دیکر دابنے لگی کمرے میں سناٹا تھا اور انھوں نے مجھ سے نہایت ہی خوفناک بات کہی یعنی یہ کہ کوتے بیگم کو قتل کرا دیا جائے میں اس کے کیا کہتی کہ "بے شک گردن زدنی اور واجب قتل ہے اور بہتر ہے کہ اس کی مشکل آسان کر دی جائے"۔

یہ سن کر ایک دم سے چونک پڑے اور بولے: "اس کی مشکل آسان ہو جائیگی اور یہی بات میں نہیں چاہتا۔ میں تو اس کو سِسکا سِسکا کر اور جلا جلا کر ماروں گا۔ بُری طرح اس کی جان لوں گا۔ ہرگز ہرگز اس کی مشکل آسان نہیں کی جائے۔"

میں خاموش ہو گئی۔ وہ خاموش ہو گئے تو میں نے کہا: "وہ اسی قابل ہے" اور اتنا کہہ کر پھر خاموش ہو گئی۔ تھوڑی ہی دیر بعد انھوں نے خاموشی کو توڑا۔

ایک دم سے اچھل پڑے اور تالی بجائی فوراً چوب دار حاضر ہوا تو حکم دیا کہ سول سرجن کو ابھی حاضر کرو۔

اتنا حکم دے کر آنکھیں بند کر لیں اور کسی فکر میں ڈوب گئے۔ کمرے میں بدستور سناٹا تھا اور میں خاموشی سے پیر داب رہی تھی۔ ایک دم سے انھوں نے آنکھیں کھولیں کراہ کر اٹھے میں ابھی کھڑی ہو گئی ایک آہ ان کے سینے سے نکلی اور دونوں ہاتھوں کو اپنی کمر پر رکھ کر سر جھکا کر ٹہلنے لگے اتنے میں برابر کے کمرے کا پردہ ہلا اور دلربن بانو کا خوب صورت چہرہ نظر آیا۔ مگر جہاں پناہ نے ایک ہاتھ کے اشارے سے انھیں غائب کر دیا۔

کمرے میں بدستور خاموشی تھی اور وہ اسی طرح ٹہل رہے تھے۔ اسی طرح ٹہلتے رہے حتیٰ کہ چوبدار نے آ کر اطلاع دی کہ سول سرجن صاحب آ گئے۔ فوراً حکم دیا کہ حاضر کرو۔

سول سرجن صاحب آئے تو مجھے اور ان کو حکم دیا کہ کمرے کے تمام دروازے بند کر دو۔ "الٰہی خیر" میں نے دل میں کہا: "یہ کیا معاملہ ہے؟" کانپتی ہوئی میں اٹھی اور ادھر سول سرجن صاحب بڑھے اور ایک ایک کر کے دروازے سب کے سب بند کر دیے گئے۔

جب سب دروازے بند ہو گئے تو سول سرجن صاحب دست بستہ کھڑے ہو گئے

ٹہلتے ٹہلتے رک کر جہاں پناہ نے کہا۔

"تم ماہدولت کے قدیم نمک خوار ہو۔۔۔۔"

سول سرجن صاحب نے زمین پر گھٹنہ ٹیک کر سر جھکا کر کہا۔ "نمک خوار کی جان حاضر ہے"۔

"بہت ٹھیک" جہاں پناہ نے کہا۔ "آج تم سے ایک خدمت لینا ہے۔ مگر یاد رہے کہ اگر یہ راز کسی طرح تمہارے سینہ سے نکلا تو یاد رکھو کہ ایسی سزا دونگا کہ ظالم بھی تمہاری حالت کو دیکھیں گے اور رو دیں گے۔"

میں نے دیکھا کہ سول سرجن صاحب کانپ گئے۔ دو زانو ہو کر انھوں نے سینہ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "جہاں پناہی کا راز اس سینہ میں ایسا دفن ہوگا کہ قبر تک جائے گا"۔

جہاں پناہ نے پھر کہا "ٹھیک ہے"۔ اور کچھ رک کر گلا صاف کر کے کہا۔ تمہارے سپرد یہ خدمت کی جاتی ہے کہ ولی عہد کا کل ہی سے علاج شروع کر دو۔ ان کو سوءِ ہضمی کی شکایت ہے۔ لہذا کل ہی سے ان کا علاج شروع کر دو اور ہفتہ بھر کے اندر اندر بغیر کسی قسم کی تکلیف پہنچاتے ہوئے نہایت ہی آرام و سکون کے ساتھ کسی مہلک زہر کے ذریعہ سے اس کا خاتمہ کر دو۔"

خدا کی پناہ! یہ خوفناک الفاظ سن کر میں چیخ نہیں پڑی۔ یہی غنیمت ہوا۔ سول سرجن صاحب کا چہرہ مٹی کی طرح پھیکا پڑ گیا اور ایسا معلوم ہوا کہ جیسے ان پر بجلی گر ی۔

سول سرجن صاحب نے دوڑ کر اپنے کو جہاں پناہ کے قدموں میں گرا دیا اور ہاتھ جوڑ کر صافہ اپنے گلے میں ڈال کر بولے "جہاں پناہ میرا خون میری گردن پر۔ اس گردن زدنی کو ابھی جلاد کے سپرد کر دیں کہ حکم عدولی کی یہی سزا ہے۔ حکم عدولی کرنیوالا باغی ہے لہذا مجھے جلد از جلد بدترین سزا دی جائے۔"

جہاں پناہ نے سنجیدگی سے کہا: "مطلب؟......"

سول سرجن صاحب نے کہا "حکم عدولی کی اجازت کا طالب موت کی سزا کا مستحق ہے"۔

"آخر کیوں؟" جہاں پناہی نے پوچھا۔

سول سرجن صاحب نے کہا: "مجھے اس حکم کی تعمیل ناممکن ہے۔ میں اور میرا خاندان آقا اور آقا زادہ پر تصدق ہونا جانتے ہیں اور اس خدمت کا میں قطعی اہل نہیں اور خدا کرے کہ میں اس حکم عدولی کی پاداش میں قتل کرا دیا جاؤں......"

"یہ ہمت" جہاں پناہ نے گرج کر آنکھیں نکال کر کہا: "حکم عدولی کی سزا جانتے ہو"

"جہاں پناہ" سول سرجن صاحب نے دست بستہ مگر بڑی ہمت سے کہا۔

"کچھ خوف؟" جہاں پناہ نے پوچھا۔

"اللہ کا خوف ہے"۔

"بادشاہ کوئی چیز نہیں؟"

"ظل اللہ..... جہاں پناہ"۔

"اور پھر حکم عدولی.... تمہاری اتنی ہمت! جانتے ہو کہ کیا سزا دوں گا"۔

"جانتا ہوں"۔ سول سرجن صاحب نے پھر ہمت سے کہا۔

"مگر نہیں مانو گے"۔

سول سرجن صاحب دست بستہ خاموش۔

"گستاخ، بدتمیز، غدار، نمک حرام..... گرج کر جہاں پناہی نے کہا ایسے کہ سول سرجن صاحب مارے خوف کے سرنگوں ہو گئے۔

"کوئی ہے"۔ جہاں نے دستک دی "کوئی ہے"۔

دروازہ بند تھا اور کوئی نہ تھا۔ لہٰذا لیک کر میں سامنے آئی جہاں پناہ نے کہا "بلاؤ"
میں نے پھرتی سے بڑھ کر دروازہ کھولا۔ چار چوبدار "حاضر حاضر" کرتے نمودار ہوئے
جہاں پناہ نے سول سرجن صاحب کی طرف اشارہ کر کے کہا "گلا گھونٹ دو" ابھی اس کا
یہ کہکر برابر والے کمرے کی طرف انگلی اُٹھائی۔ ایک چوبدار نے تیزی سے کمرے میں جانے
کا دروازہ کھولا اور تین چوبدار سول سرجن کی طرف جھپٹے سول سرجن صاحب نے اپنی
جگہ جنبش نہ کی مگر اتنا زبان سے نکلا کہ "میری لاش"۔

جہاں پناہی نے جواب میں چوبداروں سے کہا "گلا گھونٹ کر سر کے بل چھت
پر سے نیچے پھینک دو اور لاش کو ان کے گھر پہنچا دو اور دو گھنٹے کے اندر اندر
دفن ہو جائے"۔

سول سرجن صاحب بڑی پامردی اور بہادری سے چوبداروں کے ساتھ
موت سے مقابلہ کرنے چلے۔ کمرہ میں داخل ہی ہوئے تھے کہ جہاں پناہ نے بلند
آواز سے کہا "خبردار گردن پر یا کسی اور جگہ کوئی نشان نہ آنے پائے"۔ چوبدار نے
جواب دیا "حضور والا تکیہ سے نشان نہیں آتا"۔ ساتھ ہی سول سرجن صاحب کے
گرائے جانے کی خوفناک آواز آئی۔ جہاں پناہ نے مجھ سے آہستہ سے کہا "کم از کم
ایک دفعہ اور پوچھ لینا۔ شاید راضی ہو جائے"۔

"میں یہ سن کر تیزی سے لپکی، چوبدار سول سرجن صاحب کو دابے چاروں
شانے چت لٹائے تھے اور ایک ظالم نے ایک بڑے ملائم تکیے سے ان کا منہ دبا کر
سانس گھونٹ رکھا تھا کہ میں تڑپ کر پہنچی میں نے جلدی سے جہاں پناہ کا حکم سنایا
اور تکیہ سول سرجن صاحب کے منہ پر سے ہٹایا گیا۔ بڑے زور سے انھوں نے سانس

لیا۔ میں نے پوچھا "کہیئے کیا رائے ہے؟"

سول سرجن صاحب نے انتہائی پریشانی سے کہا۔ "میں حق پر ہوں۔ مجھ سے ہرگز ایسا نہ ہوگا۔ جلدی کرو۔ خدا کے واسطے جلدی ۔۔۔۔ جلدی جلدی!!"

چشم زدن میں تکیہ ان کے منہ پر بے رحمی سے رکھ کر چوبدار اس کو اچھی طرح دبا کر اس پر بیٹھ گیا۔ میں نے دیکھا کہ سول سرجن صاحب نے جنبش نہ کی مگر فوراً ہی سینہ کو جنبش ہوئی اور سانس گھٹنے لگا تو بدن نے لامحالہ جنبش کی۔ مگر ایسا معلوم ہوا کہ قصداً انھوں نے ضبط کیا۔ مگر توبہ کیجیئے۔ چشم زدن میں ایک نہایت ہی خوفناک کشمکش کا آغاز ہوا۔ ڈاکٹر صاحب قوی آدمی تھے اور تکلیف سے بے چین ہو کر مُرغ بسمل کی طرح پھڑکنا شروع کیا۔ ایسا کہ چار آدمیوں کے قابو سے نکلے جاتے تھے۔ کشمکش بڑھ گئی حتیٰ کہ زبردست طاقت کیساتھ انھوں نے ایسا زور مارا کہ تکیہ منہ پر سے ہٹ گیا۔ جو گھٹی ہوئی ایسی خوفناک آواز نکلی کہ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے مگر چوبداروں نے بڑی زبردستی سے ان کو رگڑ ڈالا۔ میرے لئے یہ نظارہ ضرورت سے زیادہ سخت تھا اور متوحش ہو کر ڈاکٹر صاحب کو موت کے پنجہ میں پھنسا ہوا چھوڑ کر میں بدحواس ہو کر اندر بھاگا۔"

زرن خاں اپنے قصہ کو یہاں تک پہنچانے پائی تھیں کہ شہزادی صاحبہ مع دو تین خواصوں کے زور زور سے اور بڑی تیزی سے باتیں کرتی ہوئی اس طرح آئیں کہ فوراً معلوم ہو گیا کہ کوئی نہایت ہی غیر معمولی واقعہ پیش آیا ہے۔

بہت جلد وجہ معلوم ہو گئی۔ شہزادی صاحبہ کے ہاتھ میں وہ بڑا سا ہیرا جو میں نے شادی کی رات کو ان کے جوتے پر سے اکھیڑ لیا تھا اور خوان پوش کا بڑا سا موتی بھی تھا۔ بات دراصل یوں تھی کہ جیسا ناظرین کو معلوم ہی ہے یہ دونوں چیزیں

خاکسار نے اڑائی تھیں اور بوجہ خفت کے اس امر کو اب تک شہزادی صاحبہ سے پوشیدہ رکھا تھا۔ بلکہ یہ دونوں چیزیں وبال جان ہو رہی تھیں اور سمجھ میں نہ آتا تھا کہ محل کے کس کونہ میں ان کو چھپاؤں۔ بیچنے جا نہ سکتا تھا اور چھپانے کی کوئی جگہ نہ تھی جگہ جگہ رکھتا پھرتا تھا ایک دفعہ پڑیا باندھکر ایک صندوق کے نیچے رکھدی دوسرے روز جو ولی عہد بہادر کے یہاں سے آیا تو صندوق دوسری جگہ رکھا تھا چپ کا چپ رہ گیا

دراصل اس چوری کیوجہ سے جس روز کا یہ واقعہ ہے ۔ ۔ ۔ ۔ اسی روز محل میں کھلبلی مچ گئی تھی اور بعد میں بہت تلاش اور پوچھ گچھ ہوئی تھی مگر کچھ پتہ نہ چلا تھا۔ اب یہ چیزیں ایک سُنار کے یہاں سے برآمد ہوئیں۔ اسے پکڑا گیا تو اس نے ایک شخص کا نام بتایا کہ اس نے دی ہیں۔ وہ پکڑا گیا اور پڑے جو پولیس کے جوتے تو اس نے ہمارے یہاں کی ایک کنیز کا نام بتایا کہ اس نے دی ہیں۔ سپرنٹنڈنٹ صاحب دونوں چیزیں لیکر جہاں پناہی کے پاس پہنچے وہاں کنیز کا نام لیا جہاں پناہ نے حکم دیا کہ ہمارے یہاں جا کر پتہ لگائیں وہ یہاں آئے اور اب مجھے اطلاع کرائی تھی۔ کنیز کو شہزادی صاحبہ نے جو آڑے ہاتھوں لیا تو اس نے بتایا کہ مجھے صندوق کے نیچے ملے تھے اب وہ پکڑی گئی تھی۔ اس نے دو جرم کئے تھے ایک تو چوری کا اور دوسرے اس شخص سے معاشقہ کا۔ چنانچہ معاملہ درپیش تھا۔ کنیز باہر سپرنٹنڈنٹ صاحب سے جواب دہی کر رہی تھی۔

اب ظاہر ہے کہ اس ناگوار معاملہ کی بیٹھی سے میں کیسا بے چین ہوا ہوں گا مجھے یہ ڈر تھا کہ کہیں اصل معاملہ نہ کھل جائے اور خواہ مخواہ کی ذلت ہو شہزادی صاحبہ مارے غصہ کے آگ بگولہ ہو رہی تھیں اور بجائے معاملہ رفع دفع کرا دینے کے

مزید تفتیش اور کنیز کو پوری سزا دلانا چاہتی تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ کنیز جھوٹی ہے
اور صندوق کے نیچے سے ملنے کا قصہ جھوٹا ہے۔

میں اسی پس و پیش میں تھا کہ کیا کروں اور سپرنٹنڈنٹ کے پاس جانے والا
ہو ہی رہا تھا کہ معلوم ہوا کہ سپرنٹنڈنٹ صاحب نے سوال و جواب کرنے کے بعد اور تین
چار کنیزوں سے پوچھ گچھ کرنے کے بعد قصور وار کنیز کا بیان صحیح تسلیم کر لیا تھا کہ
بیشک یہ سچ کہتی ہے چوری کسی اور نے کی ہے اور اس کو پڑیا صندوق کے نیچے سے ملی
ہے چنانچہ خواصیں تیزی سے باتیں کرتی مع ملزمہ کے باہر سے آرہی تھیں دریافت
حال کے بعد میں باہر گیا۔ سپرنٹنڈنٹ صاحب یعنی سابق کوتوال صاحب نے مسکرا کر فوجی
سلام کیا مجھے بھی ہنسی آگئی۔ میرا مزاج پوچھا۔ میں نے بیٹھنے کو کہا وہ بیٹھ گئے میں نے
قصہ چھیڑنے کی نیت سے کہا "کہئے کیا معاملہ ہے کیا پتہ چلا"۔

"اصلی چور کا پتہ چل گیا" کوتوال صاحب نے مسکرا کر کہا۔

میں کچھ گھبرایا وہ بولے "جب حضور والا مع شہزادی صاحبہ کے اس جگہ تشریف
لائے ہیں تو ملزمہ ایک روز اپنے گھر جا کر اور اپنے دوست سے مل کر دوسرے روز
آئی تھی اور یہ پہلے ہی ثابت ہے کہ یہاں آنے کے بعد اس نے اپنے دوست کو ہیرا
دیا ہے۔ لہٰذا وہ جب یہاں آئی تو اس سے پہلے اس کے پاس ہیرا نہیں تھا بلکہ ابھی
میں نے جو دوسری کنیزوں سے باتیں کیں تو پتہ چلا کہ کسی کنیز کے پاس بھی اس وقت
ہیرا نہیں تھا جب آپ یہاں تشریف لائے ہیں۔ کیونکہ ایک ایک کو کافی موقع ملا تھا
اور اگر کسی کے پاس اس وقت ہیرا ہوتا تو وہ اس کے گھر پہنچ چکا ہوتا۔

"پھر کون لایا"۔ میں نے ہراساں ہو کر پوچھا۔

سپرنٹنڈنٹ صاحب بولے "حضور والا گستاخی معاف۔ سوائے خود حضور والا کے یہ کارستانی اور کسی کی بھی نہیں۔ یہ حرکت آپ نے شادی والے روز شاید شہزادی صاحبہ کے کمرے میں داخل ہوتے ہی فرمائی ہے اس میں بحث کی کوئی گنجائش ہی نہیں"۔

میں نے کہنا چاہا "مگر ....."

وہ بولے "مجھ سے زیادہ حضور والا سے دوسرا کم واقف ہے اب بنئے مت نہ اب میں کوتوال ہوں نہ یہ کوتوالی ہے"۔

مجھے بھی ہنسی آئی اور میں سمجھ گیا کہ اب آگے ضد فضول ہے۔ چنانچہ میں نے اقبال کر لیا اور چپکے سے کہا کہ اس سلسلے میں کسی پر سختی نہ ہو وہ مسکرائے ہوئے سر ہلا کر سلام کر کے چلے گئے۔ میں اندر جو آیا تو دیکھتا ہوں کہ غریب ماری جا رہی ہے اور شہزادی صاحبہ آگ بگولہ ہو رہی ہیں۔ میں شہزادی صاحبہ کو علیحدہ کمرے میں لایا اور ہنس کر ان سے واقعہ بیان کیا۔

وہ گھبرا کر بولیں "تم نے!"

میں نے کہا "ہاں ہم نے"۔

"کیوں؟"

میں نے کہا "چار چوٹ کی مار پڑ رہی تھی، ہمارے اوپر ہم نے سوچا کہ یہی غنیمت ہے اور لے اڑیں گے اگر لگ گیا موقعہ"۔

شہزادی صاحبہ کھسیانی ہو کر رہ گئیں، کہنے لگیں "تم بڑے ویسے آدمی ہو"

میں نے کہا "اب جیسے ہیں ہم وہ ظاہر ہی ہے اس غریب کو تو چھوڑ دو۔"

چنانچہ جناب اب چلی خود چور کی بیوی بے گناہ چور کو معافی دینے میں بھی چلا دفادار

خواصیں اور کنیزیں برملا شہزادی صاحبہ کے سامنے چوری کرنے والے کو برا بھلا کہہ کر کوس کوس کے اس چوری سے اپنی بے گناہی اور نفرت کا اظہار کر رہی تھیں۔

ایک بولی "کیڑے ہی پڑیں گے اس کی قبر میں جس نے یہ چوری کی تھی"۔

دوسری بولی "جس نے یہ چوری کی اللہ اسے غارت ہی تو کرے"۔

تیسری بولی "مارے جوتیوں کے اس کا منہ توڑ دیا جائے گا"۔

ایک اور چلبلی بولی "ہیضہ سمیٹے اسے"۔

آخر کہاں تک بے چاری شہزادی صاحبہ مجھے کوسنے دلواتیں جل ہی تو گئیں ڈپٹ کر بولیں :-

چپ مردارین کہیں کی بکے جا رہی ہیں۔ خبردار جو کوئی بولی۔

ایک دم سے سناٹا ہو گیا شہزادی صاحبہ نے ملزمہ کو معاف کیا۔ اس کو قائل کیا کہ اصلی چور کوئی بھی سہی تو نے بھی تو چوری کی۔ وہ قائل ہو گئی۔ پھر اس کے یار کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ یار وار کچھ نہیں بلکہ پنچوں کا منظور شدہ منگیتر ہے۔ بلکہ نکاح کی اجازت کی اس کی ماں کی طرف سے جہاں پناہ کے یہاں عرضی بھی گزارے گی۔

قصہ مختصر معاملہ رفع دفع ہوا۔

تیسرا راز

حکیم صاحب

رزن خاں نے اپنے قصہ کو جہاں سے چھوڑا تھا وہاں سے پھر شروع کیا۔

کہاں تو میں ڈاکٹر صاحب کو موت کے پنجہ میں چھوڑ کے گئی تھی کہ تھوڑی دیر بعد ہوش درست کرکے واپس جو آئی تو کیا دیکھتی ہوں وہ بھلے چنگے کھڑے ہوئے ہیں جہاں پناہ انھیں رخصت کر رہے تھے زندگی تھی جو عین موقع پر جہاں پناہ نے حکم دیا کہ چھوڑ دو۔ کچھ بھی ہو جہاں پناہ ڈاکٹر صاحب سے خوش تھے اور ان کی ترقی کرکے رخصت کیا اور چوبدار کو حکم دیا کہ حکیم صاحب کو بلاؤ۔

طبیب خاص عرصہ سے راندۂ درگاہ تھے۔ تنخواہ کم کر دی گئی تھی اور عرصہ سے ان کا دربار بھی بند تھا۔ سرکاری حکم پاتے ہی آئے جہاں پناہ نے اسی طرح دروازے بند کرا دئے اور اسی طرح ان سے کہا کہ ولی عہد بہادر کو ختم کر دیں۔ حکیم صاحب نے اول تو بے حد گھبراہٹ کا اظہار کیا۔ لیکن جب دیکھا کہ جہاں پناہ غصہ ہو جائیں گے تو بولے۔

(مجھے حضور کے کسی حکم بجا لانے میں کوئی عذر نہیں۔ صرف یہ معلوم ہو جانا چاہیے

کہ حضور والا نے اچھی طرح آگا پیچھا سوچ لیا ہے یا ۔ ۔ ۔ ۔ "
حکیم صاحب اتنا ہی کہہ پائے تھے کہ جہاں پناہ حکیم صاحب کے اوپر پھٹ پڑے "بدتمیز گستاخ"۔

حکیم صاحب بوکھلا کر گھٹنوں کے بل گر پڑے اور فوراً ہی راضی ہو گئے دراصل وہ شاید اس کے متمنی ہی تھے کہ کوئی اہم خدمت سپرد ہو اور گئی ہوئی بات پھر آجائے انعام و اکرام کے وعدے کے ساتھ رخصت کئے گئے ۔ ان کے جاتے ہی جہاں پناہ نے ایک برقی بٹن دبایا جس کے ذریعہ سے دلربس بانو کو اطلاع پہنچی اور وہ تیر کی طرح لپکی آئیں ہیں فوراً کمرے سے ہوا ہو گئی ۔ جہاں پناہ نے بہت جلد دلربس بانو کے عشق میں اپنے کو بھلا دیا ۔ کیونکہ ایک بال سے باریک آواز انگریزی گیت کی طرح کمرے سے بلند ہوئی جو کمرہ درکمرہ تیرتی چلی گئی اور اس سریلے نغمے نے جہاں پناہ کو اپنے پرسکون آغوش میں لیکر سب بھلا دیا کہ ابھی ابھی کیا حکم دے چکے ہیں اور کل کیا ہونیوالا ہے۔

حالانکہ ولی عہد بہادر کی کچھ عمر نہ تھی نگران کے خاص نمک خواروں اور ہمدردوں نے خطرے کو کب کا سونگھ لیا تھا وہ سب جانتے تھے کہ کیا ہو رہا ہے اور غالباً ان لوگوں نے اس بچہ کو ایسا سمجھا بجھا دیا کہ اس کو بھی علم ہو گیا اس نے بھاگنے کی کوشش کی تو بھاگنے نہ دیا ۔ پھر تقدیر کی خوبی سے طبیعت کچھ مضمحل تو تھی ہی بخار آگیا وہ جانتے تھے کہ سول سرجن مجھے بچالیں گے لہٰذا ان کا ہی علاج شروع کیا ہمیشہ سول سرجن صاحب ہی علاج کرتے تھے کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنی سی عمر کے لڑکے کو اتنی خبر اور اتنی سمجھ کیسے آگئی تھی ڈاکٹر صاحب کو پکڑے لیتے تھے کہ میرے پاس سے نہ جاؤ مگر یہ سب بے سود تھا اور تیسرے ہی روز حکیم صاحب کا علاج شروع کرا دیا گیا۔

مصیبت تو جب آئی ہے اور کان لوگوں کے جب کھڑے ہوئے ہیں جب حکیم صاحب کی دوا دیکھتے ہی انھوں نے "مجھے بچاؤ" "اور زہر ہے" کا شور مچانا شروع کیا مگر بچوں کو تو زبردستی بھی دوا پلاتے ہیں۔ چنانچہ انھیں کوئی نہایت تیز اور سخت خواب آور اور غفلت پیدا کرنے والی دوائیں پلائی گئیں جہاں پناہ دیکھنے تک نہ آئے ان دواؤں کا اثر یہ ہوا کہ ولی عہد مرحوم غفلت اور نیند کی دنیا میں گم ہو کر رہ گئے لیکن جب کبھی بھی ہوش آتا تھا تو بھیانک صورت بنا کر چاروں طرف دیکھتے اور رسول سرحن صاحب کو بلواتے اور کبھی غفلت میں زہر! زہر! کی چیخیں لگاتے۔

آخرش وہ دن بھی آیا کہ زہر ہلاہل تیار کیا گیا اور ستم بر ستم اور ہوا وہ یہ کہ آخری مرتبہ جہاں پناہ خود کڑے بیگمی کے پاس گئے اس نیت سے کہ شاید وہ معافی مانگ لے اور شاید اس نیت سے کہ مجھے اور غصہ آجائے اور جو کچھ کرنے والا ہوں اس کے لئے اور بھی ارادہ میں استقلال آجائے۔

بدقسمتی سے یہ آخری کوشش ضرورت سے زیادہ ناکام رہی وہ باتیں ہوئیں جو کبھی نہیں ہوئی تھیں۔ یعنی اس قسم کی کہ کڑے بیگمی نے جہاں پناہ کو دانت پیس پیس کے ڈرایا کہ تمہارے لاشہ کی درگت بناؤں گی اور دلرس بانو کے بارہ میں بھی اسی قسم کی باتیں کیں جہاں پناہ غصہ میں تو تھے ہی، لونڈیوں سے جوتیوں سے پٹتا چھوڑ کر وہ انگوٹھی لائے جو کڑے بیگمی سے شادی کی رسم پر "نسبت کی انگوٹھی" قرار دی گئی تھی اور جس سے پرانی ازدواجی رسم و محبت کی روایات وابستہ تھیں اس انگوٹھی کا ہیرا دکھا کر کہا کہ "دیکھ اسی نامراد محبت کی نشانی کے ہیرے سے اس نامراد محبت کے ناخلف پھل کو تباہ کردوں گا۔"

رنگین محل غریب اس دھوکہ میں تھی کہ ولی عہد پھر ولی عہد ہے اس کو گمان بھی نہ تھا

کہ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ سچ مچ کر گزریں گے لہٰذا اسے ذرہ برابر پرواہ نہ کی۔

اس انگوٹھی کا سچ مچ ہیرا نکالا گیا اور اس کا غبار تیار کرا کر رکھا گیا پہلے اس لالچی حکیم نے اپنا زہر ہلاہل دیا وہی جان لینے کو کافی تھا۔ لیکن انتقام بھی کوئی چیز ہے۔ جہاں پناہ نے خود اپنے ہاتھ سے پسا ہوا ہیرا جو شربت میں حل تھا اپنے جگر گوشہ کے حلق سے اتار کر وہ کر دکھایا جو آج تک کسی باپ نے اپنے بیٹے کے ساتھ نہ کیا اور نہ کرے گی۔

زہر پلانے کو تو پلا آئے مگر کمرے میں داخل ہوئے ہیں تو چہرہ سفید تھا تن بدن میں ایک کپکپی تھی۔ کراہ کر بیٹھ گئے۔ جیسے سچ مچ کمر ٹوٹ گئی۔ آنکھوں سے زبردستی آنسو نکل پڑے جلدی آنسو پونچھتے ہوئے جس طرح ان سے بن پڑا اپنے کو پلنگ پر ڈال دیا اور کانپتے ہوئے لہجہ میں مجھ سے کہا کہ دوشالہ اڑھا دو۔ کانپتے کراہتے کروٹیں بدلتے سو گئے۔ گہری نیند لے کر جو اٹھے ہیں تو ولی عہد مرحوم گذر چکے تھے۔

کچھ عجیب ہی حال تھا، یہ خبر سن کر ہی تن میں ان کے پھرتی آگئی دوڑے ہوئے کوڑے بیگمی کے پاس گئے اور ہنس ہنس کر اس کو مبارکباد دے کر چھیڑنا شروع کیا۔ قدرت کے کھیل بھی عجیب نرالے ہیں۔ کوڑے بیگمی نے قطعی یقین نہ کیا اور دعائیں دینا شروع کیں کہ خدا اس کو ہزار برس سلامت رکھے خدا اس کو لنگران کی گدی پر جلد بٹھائے (ان دعاؤں کا مقصد دراصل یہ تھا کہ جہاں پناہ ناراض ہوں لیکن نتیجہ کچھ اور ہی نکلا ایک دم سے دل پھوٹ گیا اور دہاڑیں مار کر روتے ہوئے گالیاں دیکر لونڈیوں سے کہا کہ مارو اس کے جوتے اس جوتہ گاری ہوتے ہیں اس بدبخت شہزادی کو اپنے نوجوان بیٹے کا لاشہ دیکھنا پڑا ایک ہائے کا نعرہ مار کر پچھاڑ کھا کر گری۔ ایسی کہ پھر سانس نہ لیا۔

ماں اور بیٹے دونوں آگے پیچھے ختم ہوئے۔ جس وقت کا یہ واقعہ ہے اس وقت جہاں پناہی کے کوئی اولاد نرینہ نہ تھی۔ حکم ہوا کہ پورا سوگ کیا جائے خود بدولت سے لیکر رعیت تک نے اپنے پیارے ولی عہد کا سوگ منایا۔ اس غریب کی ہڈی بھی اب سلامت نہ ہوگی مگر طبیعت کا نرم اور سخی تھا۔ لوگوں کا اب تک خیال ہے کہ وہ بہترین بادشاہ ہوتا۔ مگر تقدیر کا بدا پورا ہوتا ہے۔ تاج و تخت خدا ہزاری عمر دے ہمارے ولی عہد بہادر کی قسمت میں لکھا تھا۔ پھر اللہ نے ان کو بھی ایسا بنایا کہ چراغ لے کر ڈھونڈو تو ایسا جوان نہ ملے۔ طبیعت میں ایک رتی بھر ضد تو البتہ ہے مگر کیوں نہ ہو آخر کس کے بیٹے ہیں۔

اب آپنے اس خوفناک راز کو معلوم کر لیا۔ ویسے کون لنگران میں نہیں جانتا کہ ولی عہد مرحوم باپ کے غصّہ اور ضد کا شکار ہو گئے۔ لیکن تفصیل سُن کر آپ کو نصیحت اور تجربہ حاصل کرنا چاہیئے اور جہاں پناہی اور ان کے خاندان کی مزاجی کیفیت اور سرشت معلوم کرنے کے لئے شاید اس خوفناک راز سے بڑھ کر کوئی بھی راز نہیں۔

انقلاب

کہنے کو تو میں کھرپا تھا۔ لیکن واقعہ یہ تھا کہ اب تو میں جلٹ استرے کا بلیڈ ہو رہا تھا۔ آپ خود انصاف کیجیے کہ کہیں کھرپے بھی کرزن فیشن بن کر انگریزی بولنا جانتے ہیں یا کہیں کھرپے بھی انگریزوں کی محفلوں میں اور شاہی محفلوں میں فیشن ایبل انگریزوں کے ساتھ اور ان کی دلچسپ بیویوں اور خوب صورت لڑکیوں کیساتھ انگریزی ناچ ناچتے ہیں قصہ مختصر میں اب قطعی کھرپا نہ تھا۔ بلکہ میری شائستگی اور میری تمیز ایسی تھی کہ لنکران کے شہزادوں میں شیر و شکر کی طرح گھل مل گیا تھا۔ اس ارتقائی نشو و نما کی ذمہ داری اس حد تک ڈنڈے کے زور پر ہوئی تھی جہاں تک کہ میری تعلیم کا تعلق تھا ذرا غور فرمائیے کہ قریب درجن بھر استاد میری جان حزیں پر اس طرح تعینات کیے گئے تھے کہ اگر کہیں شہزادی صاحبہ کی محبت شامل حال نہ ہوتی تو میں کب کا محلوں کو چھوڑ چھاڑ بھاگ گیا ہوتا۔ یہ موذی استاد تھے جو بلا کی طرح میری جان کو چمٹے ہوئے تھے، ایک صاحب تھے ان کا بس نہیں تھا کہ میں مادری زبان کی طرح انگریزی بولنے لگوں ہمزاد کی طرح یہ ہر دم میرے سر پر تعینات رہتے تھے ایک اور صاحب تھے وہ انگریزی مجھے گھول کر پلائے دیتے تھے پھر علاوہ ان دو موذیوں کے اردو فارسی وغیرہ وغیرہ سکھانیوالے الگ تھے پھر پڑھانے لکھانے والے آئے دن جہاں پناہ سے الٹی سیدھی شکایتیں کرتے

رہتے تھے اور کئی دفعہ جہاں پناہ کو ان مسخروں نے ایسا ورغلایا کہ پٹتے پٹتے بچا پھر بتلائیے کہ میں ایسی حالت میں کیونکر نہ کھرپے سے استرہ بن جاتا جہاں تک تربیت کا سوال تھا خود شہزادی صاحبہ شاید میری بہترین معلم تھیں اس انقلاب کے ساتھ ساتھ سب سے بڑا انقلاب میری طبیعت میں رونما ہو گیا تھا۔ غیر معمولی آسائش و آرام و حکومت اور عزت ان سب چیزوں نے دنیا کو میرے لئے جنت بنا دیا تھا۔ جو کچھ مجھے میسر تھا وہ اس سے کہیں زیادہ تھا جس کا میں مستحق یا متمنی تھا۔ طبیعت آرام پسند بن چکی تھی اور میں دنیا میں سوائے اس کے کچھ نہ چاہتا تھا کہ دن رات اپنے محل میں آرام سے پڑا رہوں اور شہزادی صاحبہ کی دلبستگی کا سامان بن کر خود اپنی دلبستگی کرتا رہوں۔

اب ادھر تو میری یہ حالت تھی اور ادھر جہاں پناہ اور ولی عہد بہادر صاحب چاہتے تھے کہ مجھے لنگران کی فوج کا جرنیل بنا دیا جائے۔ پہلے تو میں سمجھتا تھا کہ جرنیل بننا بہت آسان ہے۔ بنا دیا جائے گا اور ہم بن جائیں گے۔ لیکن تجربے سے معلوم ہوا کہ جرنیلی سے زیادہ واہیات شاید کوئی دوسرا عہدہ نہ ہوگا اس کمبخت جرنیلی کے پیچھے میری جان آفت میں ڈال دی گئی تھی۔ بھلا آپ غور فرمائیے کہ ہم ایسی جرنیلی کب پسند کرتے تھے جس کی امیدواری کے سلسلہ میں صبح تڑکے خواہ نیند پوری ہو یا نہ ہو اٹھنا اور پریڈ کے میدان پر بیکار چلنے کی الٹی سیدھی مشق کرنا اور پھر ایک دن کا ہو تو کوئی بھگت بھی لے۔ یاروں پہیلیوں کا جھگڑا اپنی جان کو لگ گیا ہم تو کب کی جرنیلی کی امیدواری چھوڑ چکے ہوتے اگر کہیں پٹنے کا دھڑکا نہ لگا ہوتا وہ تو کہیے کہ ہم پیٹ بھی لیتے لیکن پھر شہزادی صاحبہ کو بھلا کیا منہ دکھاتے قصہ مختصر ہمارا خیال ہے کہ اگر کہیں مجنوں کو بھی جرنیلی کا امیدوار بنا دیا جاتا اور کس کے جو پریڈ

کرائی جاتی تو آج کو لیلیٰ مجنوں کا قصہ ہی نہ ہوتا۔ ایک دو مہینے میں وہ لیلیٰ کے عشق کو چھوڑ چھاڑ کر ایسا بھاگتے کہ ان کی دھول بھی نہ ملتی۔ وہ تو ہم ہی تھے جو ڈٹے ہوئے تھے۔ مجھے لنکا ان کی فوج میں لفٹننٹ کا عہدہ دیا گیا تھا اور لفٹننٹی سے جرنیلی کے عہدے تک پہنچنے میں بڑے بڑے مرحلے باقی تھے جس طرح بن بڑا سخت سے سخت مشقت جھیل کر کپتانی کے عہدہ پر پہنچا۔ اس کے بعد جہاں پناہ نے اور ولی عہد بہادر نے قواعد سکھانے والے انگریز کو اتنی سخت ہدایتیں کیں کہ اس نے بھی سوچا کہ لاؤ کرنیلی کے فنون اسے گھول کر پلا دوں۔ چنانچہ اس بے وقوف انگریز نے میری جان کو اور بھی آفت ڈھانا شروع کی۔ سختیاں کرتا بد سے بدترین قواعد لیتا۔ پھر سسٹم پرسسٹم کرفوجی سبق پڑھاتا اور جب یہ واہیات سبق یاد نہ ہوتا تو سخت کلامی کیساتھ پیش آتا چنانچہ ایک دن اس نے جو مجھے الٹی سیدھی سنائی تو میں نے دو تین ہاتھ ان کے رسید کیے کر طبیعت ہرن ہو گئی اور پھر بگڑے ہیں وہ تو میں نے رائفل میں کارتوس رکھ کر انھیں دکھائی تو بالکل "اٹین شن" اور معصوم بن گئے۔ میں نے ان سے کہہ دیا کہ اگر آج سے تم نے ہمارا ناطقہ بند کیا یا آئے دن لگائی بجھائی کی تو ہم تمھیں حضرت عیسیٰ سی پلا دینگے۔ دبنے کو تو وہ دب گیا۔ لیکن اس نے جہاں پناہ سے جا کر نہ صرف میری رپورٹ کی بلکہ مجھے فوجی ٹریننگ دینے سے منکر ہو کر مستعفی ہو گیا۔ نتیجہ یہ کہ بات بڑھی اور جہاں پناہ کو جب واقعہ معلوم ہوا تو سنبھالا انھوں نے اپنا ڈنڈا۔ بڑی خیریت گزری کہ میں بال بال بچا لیکن اب ایک اور مصیبت نازل ہوئی وہ یہ کہ جہاں پناہ کے ملاقاتی کے خوشامدیوں نے جہاں پناہ کے دل میں کسی نہ کسی طرح یہ بات جما دی کہ میں صرف شہزادی صاحبہ کے عشق کی وجہ سے ناکارہ اور آرام پسند ہو گیا ہوں لہٰذا میں

ٹھیک نہ ہوں گا جب تک کہ شہزادی صاحبہ کو مجھ سے الگ نہ کیا جائے گا۔

اب اتفاق کہیئے کہ اسی سلسلہ میں ایک اور واقعہ پیش آیا۔ میری نالائقی کے چرچے دن رات ہوتے ہی رہتے تھے اور لوگ یہ بھی جانتے کہ اپنی بیگم یعنی شہزادی صاحبہ سے مجھے بیحد لگاؤ اور محبت ہے اور اس کے بعد جو لوگوں نے جہاں پناہ کو سمجھا دیا کہ میری نالائقی محض شہزادی صاحبہ کے عشق و محبت کی وجہ سے ہے تو عوام کو طرح طرح کی غیبتیں ٹھوکنے کا موقع ہاتھ آیا جس کی تصدیق کچھ عجیب طرح ہوئی۔

یہ معاملات زوروں پر تھے کہ ولی عہد بہادر نے میرا نوجی امتحان لیا اور اس امتحان میں میں ناکام رہا۔ نتیجہ یہ کہ وہ مجھ سے بیحد خفا ہوئے اور میری شکایت جہاں پناہ سے کردی۔ اس کے تیسرے روز کا ذکر ہے کہ ولی عہد صاحب نے مجھے اپنے محل پر طلب کیا اور پھر حمایت کہیئے ان کی کہ مجھے نہ صرف بری طرح ڈانٹا بلکہ اشارتاً یہ بھی کہہ دیا کہ شہزادی صاحبہ کو مجھ سے علیحدہ کر کے محل میں رکھنا تجویز ہو رہا ہے اور پھر چلتے چلتے مجھ سے یہ بھی کہا کہ میں شہزادی صاحبہ کے شوہر بننے کا مستحق اور اہل نہیں ہوں۔ گو میں نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا لیکن دل میں ضرور کہنا پڑا کہ اس بارے میں کہ شہزادی صاحبہ کے شوہر بننے کا مستحق یا اہل ہوں، بہتر ہوتا کہ بجائے خود یہ کام ہمشیرہ عزیزہ یعنی شہزادی صاحبہ کے سپرد فرما دیتے لیکن سسرال والوں کی تو عادت ہی ہوتی ہے کہ بغیر لڑکی کے تصدیق کیئے ہوئے اس قسم کی رائے زنی کیا کرتے ہیں ظاہر ہے کہ ولی عہد بہادر کے اس خیال کی میرے دل میں کہاں تک وقعت ہو سکتی تھی نتیجہ یہ کہ ہوں ہاں کر کے چلا بھنا رات کے کوئی گیارہ بجے گھر واپس آیا اور باہر

کے ہال میں ایک صوفہ پر سگرٹ سلگا کر تکیہ لگا کر بیٹھ گیا۔ خادمہ کپڑے اتروانے آئی تو میں نے اس کی طرف ایسی لات ماری کہ اس کی ناک بال بال بچی "بھاگ جاؤ" میں نے اسے ڈانٹ کر کہا اور وہ بدحواس ہو کر اندر بھاگی۔ میں اسی غور و فکر میں تھا کہ نہ معلوم ولی عہد صاحب نے جہاں پناہ سے میری کیا شکایت کی ہو گی اور نہ معلوم وہاں سے اب کیا حکم ہو گا۔ غرض میں اسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا کہ بے خبری میں کسی نے میرے سر پر اس زور سے چپت مارا کہ اس کے چٹاخے سے ہال گونج گیا میں اچھل پڑا کہ الٰہی یہ مصیبت میرے اوپر کدھر سے نازل ہوئی کیا دیکھتا ہوں پرانا یار قمرالدین ہے وہی قمرالدین جس کے ساتھ مل کر میں نے شاہی باغ کھسوٹا تھا میں تو بچ گیا تھا اور اس کو لمبی قید بھگتنا پڑی تھی۔ ذرا غور فرمائیے کہ قسمت نہیں تو اور کیا تھا اسی باغ کھسوٹنے کی پاداش میں قمرالدین کو جیل نصیب ہوئی اور مجھے شاہی دامادی۔

یہ تو جملہ معترضہ تھا بجائے اس کے کہ میں چپت کھا کر برا مانتا یا غیض و غضب سے دیوانہ ہو کر قمرالدین کی شامت بلوا دیتا۔ اپنے لنگوٹیا یار اور گنوار کو دیکھتے ہی خود بھی ویسا ہی ہو گیا۔ یعنی صوفہ پھاند کر ایک کے بدلے دو چپت رسید کر کے بعد میں میں نے مزاج پرسی کی۔ گالی دیکر اس سے پوچھا کہ تو کدھر سے نازل ہو گیا۔ اس نے اور بھی موٹی گالی دیکر اپنا حال بتایا وہ یہ کہ قید بھگت کر اسی ہفتہ جیل سے نکلا تھا۔ بری حالت تھی۔ مفلسی نے زندگی وبال کر دی تھی۔ چنانچہ اس وقت بھی بھوکا تھا۔ میں نے اپنا حال سنایا اس کے کھانے کو منگوایا ایک جوڑا کپڑے کا دیا اور اپنا خاص مصاحب بنانے کا وعدہ کیا۔ بڑی دیر تک باتیں ہوتی رہیں اور انہی باتوں کے دوران میں اس نے مجھ سے ایک بات ایسی کہی کہ میں اور بھی پریشان ہو گیا اس نے مجھ سے کہا کہ شہر میں یہ خبر

گرم ہے کہ شہزادی صاحبہ کو مجھ سے علیحدہ کر کے طلاق دلائی جائے گی۔

اس بے بنیاد خبر نے کس طرح عوام میں رسوخ حاصل کیا؟ اس کا جواب قمرالدین تو کچھ نہ دے سکا لیکن میرا دھیان ولی عہد صاحب کی طرف گیا انھوں نے کہا تھا کہ میں شہزادی صاحبہ کا شوہر بننے کا مستحق اور اہل نہیں ہوں درحالیکہ میں شوہر تھا۔ ظاہر ہے کہ قمرالدین کی زبانی یہ خبر سن کر میں کس وہم میں پڑ گیا ہوں گا۔

قمرالدین تو چلا گیا۔ سرِ شام نہ معلوم وہ کس طرح اندھیرے میں میرے کمرے میں گھس آیا تھا جہاں وہ چھپا بیٹھا رہا۔ قمرالدین کے چلے جانے کے بعد میرا دل بہت گھبرایا میں نے اپنے وہم سے شہزادی صاحبہ کو آگاہ کیا تو ان کے خوبصورت اور نورانی چہرے پر بھی پریشانی کی بدلیاں منڈلانے لگیں۔ کیونکہ آج کل میری نالائقی کے تذکرے دربار میں بہت ہوتے تھے اور طرح طرح کی باتیں محل سے اُٹھتی تھیں اور اس قسم کی باتیں محلوں میں کوئی عجیب بھی نہیں ہیں (میں خوب جانتا تھا کہ جس طرح منٹوں میں مجھے عزّت دی گئی ہے اسی طرح ذرا سے بہانے پر مجھے ذلت بھی دی جا سکتی ہے شاہی دامادوں کی خاطر بھی بہت ہوتی ہے) اور جب گت بنائی جاتی ہے تو کچھ نہیں دیکھا جاتا اور گت بھی خوب بنتی ہے۔ کیا میری گت بنائی جائے گی؟ اور کیا شہزادی صاحبہ مجھ سے چھین لی جائیں گی؟ یہ سوالات مجھے پریشان کرتے رہے اور میں رات گئے تک اسی اُدھیڑبن میں نہ سویا۔ رات کو میں نے خواب دیکھا کہ ولی عہد صاحب اپنی بہن کو مجھ سے چھیننے آئے ہیں۔ خواب ہی میں میں نے پوری قوت سے ان کی ناک پر اس زور سے ایک گھونسہ مارا کہ میری آنکھ کھل گئی اور میں اپنا ہاتھ دیکھ رہا تھا جو زور سے میں نے مسہری کے پائے پر رسید کیا تھا۔

صبح ہوئی تو میں بدستور متفکر تھا اور شہزادی صاحبہ بھی ملول تھیں۔ حتیٰ کہ تنہائی میں لے جا کر شہزادی صاحبہ کا میں نے ہاتھ پکڑا اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنے وہم سے ان کو آگاہ کیا اور اپنی حالت بیان کی اور ان کی محبت کی تصدیق چاہی تو شہزادی صاحبہ کی حالت غیر ہوگئی انھوں نے اپنی لازوال محبت کا مجھے ہر طرح یقین دلایا اور اپنی موت اور زیست کو میری جدائی اور ساتھ رہنے پر منحصر کر کے قسمیں کھائی اور از سر نو ہم نے اپنی محبت کی پختگی کے بارے میں عہد و پیمان کئے۔ شہزادی صاحبہ اس حد تک تیار تھیں کہ اگر خدانخواستہ مصیبت پیش آئی تو وہ شاہی عیش و آرام چھوڑ کر میرے ساتھ لنگران سے باہر کہیں چل کر محنت اور مزدوری کی زندگی بسر کریں گے۔ میرے لئے یہ عہد و پیمان ضرورت سے زیادہ تھا۔ چنانچہ اسی وقت میرا دل ہلکا ہوگیا۔ لنگران کی شاہی قوت مجھے ایسا معلوم ہوا کہ ہم دونوں کی محبت توڑنے اور جدا کرنے کے لئے ایک حقیر شے ہے بلکہ کچھ بھی نہیں۔ گویا میں ایک سرے سے لنگران کے خوفناک ڈنڈے کا قائل ہی نہیں رہا۔ وہ ڈنڈا جس کی عظمت اور جبروت کا میرے بدن کا ہر حصہ اس وقت تک شاہد تھا اور جو میرے لئے اب تک لنگرانی جلال کا مظہر بنا ہوا تھا۔

ابھی یہ خیال تازہ ہی تھے کہ ایک خواص نے مجھے آکر اطلاع دی کہ شاہی چوبدار آیا ہے اور جہاں پناہ مجھے فوراً طلب فرما رہے ہیں۔ بس میں کیا عرض کروں کہ سب اطمینان ایک دم سے رخصت ہوگیا اور میں ایسا گھبرایا کہ چاروں طرف مجھے ڈنڈے ہی ڈنڈے دکھائی دینے لگے۔ قصہ مختصر شہزادی صاحبہ کو روتا ہوا چھوڑ کر جہاں پناہ کی خدمت میں پہنچایا گیا تو یہ سوچ رہا تھا کہ نہ معلوم کیا مصیبت آئے گی لیکن خلاف توقع جہاں پناہ نرمی اور شفقت سے پیش آئے بجائے سرزنش انھوں نے نصیحتیں کیں اور مجھے حکم دیا کہ ہفتہ بھر کے اندر

اندر فوجی ٹریننگ کے لئے مجھے پونہ بھیجا جائے گا۔ شہزادی صاحبہ کا جی چاہے جہاں رہیں خواہ اپنے محل میں رہیں خواہ شاہی محل میں چلی آئیں۔ میرے جانے کے سلسلے میں ضروری احکام نافذ کئے گئے ایک خط پونہ کے کسی فوجی افسر کو لکھا گیا اور ایک خط تعارف کے لئے میرے حوالے کیا گیا۔

پونہ جانے کی میں تیاریاں کر ہی رہا تھا کہ جانے سے دو روز پہلے رزن خاں نے مجھے تنہائی میں پکڑ لیا۔ رات کے کوئی دس بجے ہوں گے کہنے لگیں آپ پردیس جا رہے ہیں اور دربار کا رنگ آپ کے زیادہ موافق نہیں ہے لہٰذا میں ضروری سمجھتی ہوں کہ آپ کو لنکران کے رازہائے سربستہ سے کچھ اور آگاہ کر دوں۔ تاکہ آپ کی آنکھیں کھل جائیں اور آپ کو معلوم ہو جائے کہ شاہی داماد کو کس طرح احتیاط سے رہنا چاہیئے۔ لہٰذا اطمینان سے بیٹھ کر سنئے۔

شہزادی صاحبہ سے میں نے کہلوا دیا اور وہ جانتی ہی تھیں کہ رزن خاں کس قسم کی باتیں کریں گے۔ لہٰذا وہ تو خوابگاہ میں گئیں اور میں اطمینان سے رزن خاں کی زبانی لنکران کے رازہائے سربستہ سننے بیٹھ گیا۔ رزن خاں نے جو کچھ بھی سنایا وہ آپ بیتی کے طور پر انھیں کی زبانی حصہ دوم میں ملاحظہ کیجیئے۔

حصہ دوم

چوتھا راز

رزن خاں نے اپنا سلسلہ جاری کیا :۔

" ملکہ زمانی مرحومہ کو مرے ہوئے ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے ہیں اور یہ راز گو بالکل ہی تازہ ہے مگر میں قصہ کو شروع سے اُٹھاؤں گی۔

میں کہہ چکی ہوں کہ "کفترہ" والی بیگم یعنی ملکہ زمانی بیگم کو جو درجہ حاصل ہونا چاہئیے تھا اور حاصل تھا وہ کسی دوسری بیگم کو نصیب نہیں ہوا تھا۔ رنگین محل کی تباہی کے بعد دلرس بانو نے ملکہ زمانی کی طرف توجہ کی اور بہت جلد ان کو بھی شکست دی گو ملکہ زمانی یہ جانتی تھیں کہ رنگین محل کیطرح میں بے بس نہیں ہوں لیکن پھر بھی رنگین محل کا حشر دیکھ چکی تھیں اور ڈرتی تھیں۔ لہذا مجبور ہو کر جو ذلت بھی کی گئی ہنسی خوشی برداشت کرلی۔ ان کو دراصل ڈر یہ تھا کہ اگر ان سے جہاں پناہ خفا ہو گئے اور بدلہ لینے پر اُتر آئے تو رنگین محل کی طرح گت بنانے کے بجائے زہر دلوادیں گے۔ لہذا مجبوراً ان کو ذلتیں اُٹھانا پڑیں۔ دلرس بانو کو اپنی جگہ ہمیشہ کے لئے دنیا پڑی اور پھر آگے چل کر جہاں پناہ سے کہنا پڑا کہ اگر آپ حکم دیں گے تو کوئی بھی ہو اس کو سلام کروں گی اور مجرا بجالاؤں گی۔ چنانچہ انھیں یہ بھی کرنا پڑا انھوں نے تو یہ بے غیرتی

سہ لی۔ لیکن بھائی نے یعنی نواب کفترہ نے جو سُنا تو آگ بگولہ بن کر بہن کو لینے آگئے مگر جہاں پناہ نے رخصت کرنے سے انکار کر دیا۔ بڑی تلخیاں بڑھیں معاملہ بہت طول کھنچ جاتا اگر کہیں خود ملکہ زمانی مصلحتاً بھائی سے لڑ کر جہاں پناہی کی طرف نہ آجاتیں۔ انھوں نے کھلم کھلا بھائی سے کہدیا کہ میں بغیر شوہر کی مرضی کے خود نہیں جانا چاہتی اور میری جو کچھ توہین ہوئی ہے وہ مجھکو منظور ہے کیونکہ میں نے شوہر کا حکم بجایا ہے مجبوراً بھائی اپنا سامنہ لیکر بہن سے خفا ہو کر چلے گئے۔

یہ تو سب کچھ ہو گیا مگر یہ دلرس بانو کی شرارت تھی کہ جہاں پناہ پھر خفا کے خفا ہی رہے اور یہی کہا گئے کہ بھائی کو لکھ کر حمایت کیلئے بلایا تھا حالانکہ ان بیچاری نے ہرگز نہ لکھا تھا۔

ملکہ زمانی کی حالت دلرس بانو نے قابل رحم بنادی۔ ایک طرف تو بھائی خفا اور دوسری طرف دن رات ذلتیں سہنا۔ نتیجہ یہ کہ وہ لنگران سے تنگ آگئیں اور دراصل فکر میں ہوئیں کہ کسی طرح اپنے بھائی نواب کفترہ کے پاس پہنچ جاؤں۔ بہانہ بھی ہاتھ آگیا۔ قبل اس کے کہ میں اس قصہ کو آگے بڑھاؤں ضروری ہے کہ آپ کی بڑی سالی صاحبہ اور بہنوئی سے بھی تعارف کرادوں۔

جیسا کہ میں عرض کر چکی ہوں ملکہ زمانی کے اولاد نہیں ہے لیکن انھوں نے آپ کی بڑی سالی صاحبہ کو اپنی بیٹی بنایا تھا اور حقیقی بیٹی سے بھی زیادہ ان سے محبت تھی۔ ان کا لقب صاحبزادی صاحبہ ہے اور اسی نام سے ان کا ذکر کروں گی صاحبزادی صاحبہ جوان ہوئیں تو ان کی شادی شہر کے مشہور و معروف رئیس آبنوس خاں صاحب کے بھتیجے یعنی مختصر خاں کے لڑکے سے قرار پائی اور ملکہ زمانی بیگم نے داماد کو بیٹے کی طرح محبت سے رکھا۔ جہاں پناہ کے وہ پہلے داماد تھے اس لئے ان کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ جہاں پناہی نے ان کو نواب دولہ کا

خطاب دیا تھا۔ نواب دولہ مرحوم عجیب خوبیوں کے آدمی تھے۔ بڑے گرانڈیل اور دیوہیکل تھے۔ لیکن نہایت وجیہہ اور خوب صورت جوان تھے ایسے کہ دیکھنے والے دیکھتے کے دیکھتے رہ جائیں طبیعت میں بڑی نرمی تھی اور اپنی بیوی کے ایسے عاشق زار تھے کہ آخر کو بیوی ہی کے عشق میں فنا ہو گئے۔ اس مختصر تعارف کے بعد میں پھر قصہ کو شروع کرتی ہوں۔

خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ صاحبزادی صاحبہ کچھ بیمار پڑ گئیں اور ملکہ زمانی بیگم کے ہاتھ ایک بہانہ آیا کہ لڑکی کے علاج کیلئے بمبئی جاؤنگی۔ ملکہ زمانی درحہل اس تاک میں تھیں جس طرح بھی ہو سکے لڑکی اور داماد کو لیکر بھائی کے پاس پہنچ جاؤں لیکن انکی ایک طرح سے جہاں پناہ کے ہاتھ میں کور دبی ہوئی تھی وہ یہ کہ اپنے گھر سے قریب ایک کروڑ کی مالیت کا جو زیور لائی تھی وہ جہاں پناہ نے اپنے قبضہ میں رکھ چھوڑا تھا لہذا جب انھوں نے صاحبزادی کے علاج کے لئے بمبئی جانے کی اجازت مانگی تو جہاں پناہ نے بخوشی اجازت دے دی۔ ملکہ زمانی بمبئی پہنچیں اور وہاں پہنچکر انھوں نے خفیہ طور پر بھائی کے پاس نامہ و پیام بھیجے۔ ظاہرہ طور پر بھائی سے لڑی ہوئی تھیں لیکن دل سے ملی ہوئی تھیں اور اس فکر میں تھیں کہ کسی طرح زیور ہاتھ آجائے تو بھائی کے پاس چل دوں۔ بمبئی پہنچ کر علاج ہی کے بہانہ سے کوہ نیل گری پہنچیں اور وہاں بیٹی اور داماد کے ساتھ مزے سے رہنے لگیں۔

لیکن دلرس بانو بیگم کو بھلا یہ کب گوارا ہو سکتا تھا کہ ملکہ زمانی بیگم ذلت سے بچنے کے لئے لنگران سے باہر شنگیری پر مزے کریں ملکہ زمانی بیگم کی دیکھ بھال کے لئے جاسوس مقرر کئے گئے اور دلرس بانو بیگم کے اشارے سے ان جاسوسوں نے ایک نیا شگوفہ چھوڑا اور وہ یہ کہ جہاں پناہ کے دل میں یہ کمینہ خیال ڈال دیا

کہ ملکہ زمانی بیگم داماد پر عاشق ہو گئی ہیں۔ چنانچہ ملکہ زمانی کے پاس شاہی احکام پہنچے کہ بیٹی اور داماد کو چھوڑ کر واپس آؤ۔ مجبوراً ملکہ زمانی کو واپس آنا پڑا لیکن لنکران میں آکر انھوں نے وہ پانسہ پھینکا کہ خود جہاں پناہ اور دلرس بانو بیگم دونوں کو الو بنا دیا ہر ذلت کو جو دلرس بانو کے ہاتھوں ان کو پہنچی اس کو نہ صرف برداشت کیا بلکہ بسر و چشم قبول کیا اور حد ہو گئی جب انھوں نے جہاں پناہی سے درخواست کی کہ میں اپنا زیور خوشی سے دلرس بانو بیگم کو نذر کرنا چاہتی ہوں اور خود فقیری لیکر محل کے ایک کونے میں بقیہ عمر عبادت میں صرف کرنا چاہتی ہوں ظاہر ہے کہ ان باتوں سے جہاں پناہ کسقدر خوش نہ ہوئے ہونگے۔ ملکہ زمانی نے اسطرح جہاں پناہ کو دھوکہ دیکر الو بنا دیا اور خود گوشہ نشین ہو گئیں۔

کچھ دن اسی طرح گزرے کہ آخر کو ان کے بھائی نواب کنفرہ کے لڑکوں کی بسم اللہ کی تقریب میں جہاں پناہ کے نام اور ملکہ زمانی کے نام رسمی بلاوہ آیا لیکن چونکہ تعلقات طرفین کے کشیدہ تھے اس لئے کوئی جواب نہ دیا گیا اب موقع آیا کہ ملکہ زمانی چال چلیں چنانچہ ایک روز دست بستہ جہاں پناہی کے سامنے روتی ہوئی حاضر ہوئیں اور تمنا ظاہر کی کہ ایک دفعہ بھتیجوں کو دیکھ آؤں۔ جہاں پناہی نے اجازت دیدی۔ لیکن بعد میں جب جہاں پناہ کو معلوم ہوا کہ اس تقریب میں نواب کنفر کے یہاں بڑے بڑے والیانِ ریاست مع اپنی بیگمات کے آئیں گے تو خود ہی یہ خیال ہوا کہ ایسے موقع پر میری بڑی بیگم اگر بغیر زیور کے جائے گی تو بڑی سبکی ہوگی۔ چنانچہ خود ہی جہاں پناہ نے ملکہ زمانی سے کہا کہ ایسے موقع پر بغیر زیور کے جانا مناسب نہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ملکہ زمانی ضد کر رہی تھیں کہ میں کسی قسم کا زیور نہیں لے جاؤں گی اور جہاں پناہ حکم دے

رہے تھے کہ تم کو لے جانا پڑے گا چنانچہ یہ طے ہو گیا کہ زیور لے جانا پڑے گا۔

~~~~~~~~~

قصہ مختصر ملکہ زمانی بیگم نے بھائی کے یہاں جانے کی تیاریاں کیں ساتھ جانے والیوں میں علاوہ کنیزوں اور خواصوں کے میں بھی رکھی گئی۔ جہاں پناہ نے تنہائی میں لے جا کر مجھے اچھی طرح میرے فرائض سے آگاہ کیا اور یوں کہیئے کہ ملکہ زمانی کے ساتھ مجھے گویا جاسوس اور نگراں بنا کر بھیجا جا رہا تھا۔
ہم لوگ خیر و خوبی سے روانہ ہو گئے اور بمبئی پہنچ کر ہم نے اسپیشل ٹرین کے لئے ایک روز قیام کیا۔ دوسرے روز ہمارا اسپیشل بمبئی سے کلکتہ کی طرف روانہ ہو گیا لیکن میرے تعجب کی کوئی حد نہ رہی جب ایک اسٹیشن پر ہمارا اسپیشل روکا گیا اور صاحبزادی صاحبہ اور ان کے شوہر یعنی نواب دولہ صاحب مع ملازمین کے ہمارے ساتھ ہو لئے نواب دولہ صاحب اور ملکہ زمانی سے جو باتیں ہوئیں ان سے یہ پتہ چلا کہ جہاں پناہ نے ان کو منع کر دیا تھا کہ تم کلکتہ نہ جانا لیکن باوجود اس حکم کے ہمارے ساتھ چل رہے تھے ملکہ زمانی کی باتوں سے بھی صاف صاف پتہ چل رہا تھا کہ وہ خود بغاوت پر آمادہ ہیں اور اس بات کو چھپانا بھی نہیں چاہتیں چنانچہ چار بجے کے قریب جب اسپیشل ایک بڑے اسٹیشن پر رکا تو انھوں نے مجھے طلب کیا کہا کہ تم یہاں سے واپس چلی جاؤ اور میری طرف سے جہاں پناہ سے جا کر کہہ دینا کہ تم نے جو میرے اوپر ظلم کیئے ہیں وہ ایسے نہیں جو میں بھول سکوں اور اب میں لنگران اور تمہارے دونوں کے اوپر
~~~~~~~~~

لعنت بھیجتی ہوں۔ میں نے کسی طرح مناسب نہ سمجھا کہ واپس چلی جاؤں لہذا میں نے یہ کہہ کر ساتھ رہنے کی درخواست کی کہ اگر میں خلاف مرضی واپس چلی گئی تو میری شامت بلا دی جائے گی لہذا اس وقت تک مجھے ساتھ رہنے کی اجازت دی جائے تاوقتیکہ مجھے ہدایت ملے۔ بیگم صاحبہ تو اجازت ہرگز نہ دیتیں کیونکہ جانتی ہی تھیں کہ میں جہاں پناہ کی رازدار ہوں لیکن صاحبزادی صاحبہ نے یہ کہہ کر مجھے روک لیا کہ کفترہ پہنچنے کے بعد ممکن ہے کوئی اور ضروری بات پیش آئے لہذا وہاں پہنچ کر دیکھا جائے گا۔ شہزادی صاحبہ لنگران سے بیحد بیزار تھیں اور کہنے لگیں کہ ہمارے لئے سوائے ذلت اور جوتیوں کے لنگران میں اب رکھا ہی کیا ہے لہذا اب کبھی ہم لنگران نہ جائیں گے۔

قصہ مختصر ہمارا سفر جاری رہا اور دوسرے روز رات کو ہمارا اسپیشل کفترہ پہنچا سرکاری حکام ہمارے استقبال کے لئے موجود تھے۔ ہم لوگوں کو بڑے آرام سے اتروا کر ٹھاٹھ کے ساتھ محل کی طرف روانہ کیا۔

کفترہ

کفترہ کے عالیشان محل بقعۂ نور بنے ہوئے تھے۔ باہر آتش بازی چھوٹ رہی تھی اور شاہی بینڈ مبارکبادی کے نغمے الاپ رہا تھا۔ ملکہ زمانی کیلئے ایک پورا محل کا محل تیار تھا اور صاحبزادی صاحبہ اور نواب دولہ کیلئے ایک علیحدہ محل کا حصہ تیار تھا۔ ہم لوگ جس وقت پہنچے ہیں سارے محل میں اندر اور باہر عجیب گھما گھمی اور چہل پہل تھی۔ بہت جلد ملکہ زمانی بیگم مع صاحبزادی صاحبہ کے شاہی جشن میں شرکت کرنے کی غرض سے چلنے کو تیار ہوئیں۔ خود انھوں نے بہت سادہ کپڑے پہنے لیکن بیٹی کے ٹھاٹھ دیکھنے کے قابل تھے اور کیوں نہ ہو کہ آقائے لنگران کی صاحبزادی صاحبہ اپنے تمام حسن وجمال کے ساتھ شاہان کفترہ کے جشن خوشی میں شریک ہونے کو جا رہی تھیں صاحبزادی صاحبہ کی شکل وصورت اور آن بان دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ شاہی ملبوسات جن کی قیمت لاکھوں روپے تھی ان کے زیب تن تھے ملکہ زمانی کا اور خود اپنا سب ملا کر دو ڈیڑھ کروڑ کا زیور جواہرات میں غرق سر سے پیر تک آئینہ وار نرالی چمک دمک کیساتھ اپنے حسن لاثانی کی جلوہ گری کے ساتھ چتون سے لنگرانی دبدبہ اور وقار نمایاں ایک عجیب ساحرانہ شان سے زنانہ محل کے جشن میں شرکت کرنے چلیں۔

کمرہ در کمرہ اور صحن در صحن اور دریچوں اور دروازوں کی سینکڑوں بھول بھلیاں طے کر کے ہم لوگ خاص زنانہ محل میں پہنچے جہاں جشن برپا تھا۔

ہمارے سامنے دربار کا عالی شان ہال تھا جس کے دروازوں اور کھڑکیوں سے راگ اور نغمہ کی لپٹیں نکل رہی تھیں۔ ہمارا یعنی لنکران کا جلوس محل کے پلیٹ فارم کی پہلی سیڑھی پر پہنچا ہے کہ کمرے سے گویا ایک تاروں کا جھرمٹ نکلا، ہمارے استقبال کے لئے ہز ہائنس دی بیگم صاحبہ کفترہ اپنی بڑی نند یعنی ملکہ زمانی بیگم کے استقبال کے لئے بڑھیں۔ کفترہ کی بیگم صاحبہ کو میں نے پہلی مرتبہ دیکھا۔ حسن و جمال کی ایک چمکتی ہوئی تصویر تھی لیکن پیشانی پر وہی اندرونی تکلیف کی سفیدی تھی جو والیانِ ملک کی بدقسمت بیگمات کی پہچان کی خاص نشانی ہے۔ یعنی تمام دنیا کی خوشیاں اور تمام دنیا کی دولت خوشی کے موقع پر بھی ان ناقابل بیان تکلیف کو نہیں چھپا سکتی جن سے ایک خوش قسمت بیگم کا عموماً سابقہ پڑتا ہے۔

ملکہ زمانی بیگم اپنی نوجوان بھاوج سے بچوں کی طرح لپٹ کر ملیں اور انھوں نے اپنے آنسوؤں سے بیگم کفترہ کا کندھا تر کر دیا۔ بیگم کفترہ نے بڑی عزت اور محبت کے ساتھ اپنے معزز مہمانوں کو لے جا کر ہال میں اچھی جگہ بٹھایا۔ خوشبوؤں سے ہال معطر ہو رہا تھا اور روشنی نے دن کا سماں باندھ دیا تھا۔ جھاڑ اور فانوس اور دیگر آرائش کی چمک اور دمک سے کمرہ جگمگا رہا تھا اور اس وسیع اور عظیم الشان ہال میں گویا پریوں کا ناچ ہو رہا تھا۔ سورج مکھی اور مور پنکھی کی سبز شاخیں ہاتھوں میں لئے اور زریں ٹوپیاں پہنے سنہرے اور روپہلے کے بھڑکیلے کپڑے پہنے چلبلی اور خوبصورت خواصیں پیانو اور ستار کے تاروں کے دلربا نغموں کی آوازوں

بل کھا کھا کر ساتھ دے رہی تھیں۔ ان کے پیروں کا نپا تلا چھما کا پیانو کی آواز کا چھناٹا پھر اس پر رسیلے اور سریلے گیت کمرے کی چمک اور دمک میں ان کی متوالی گردنوں کی جنبش اور مشک و عطر کی ہر چہار طرف بارش یہ ایسی چیزیں تھیں کہ معلوم ہو رہا تھا کہ ایک دلکش اور شیریں خواب ہے۔

ہم لوگوں کو آئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ غلغلہ بلند ہوا کہ سرکار عالیجاہ تشریف لاتے ہیں یہ خبر سنتے ہی میری نظر صاحبزادی صاحبہ کے چہرہ پر پڑی.... اور ساتھ ہی بامعنی نگاہوں سے ملکہ زمانی بیگم نے بھی صاحبزادی صاحبہ کی طرف دیکھا مہمانوں میں باہر کی جو بیگمات تھیں وہ اٹھ کھڑی ہوئیں صاحبزادی صاحبہ نے ایک نظر پردہ میں جانیوالی بیگمات کی طرف ڈالی اور اٹھنے کو تھیں کہ گویا ملکہ زمانی کی آنکھوں نے مغائرت کی شکایت کی۔ ایسی کہ صاحبزادی صاحبہ کے پرنور چہرے پر کچھ حیرانی اور پریشانی سی چھا گئی۔ لیکن ان کو اس کشمکش و پیچ سے نکالنے کی بیگم صاحبہ کفترہ نے کوشش کی پھول کی طرح مسکرا کر وہ صاحبزادی صاحبہ کی طرف بڑھیں اور ایک عجیب ساحرانہ محبت سے انھوں نے کہا "آپنے سنا نہیں سرکار تشریف لا رہے ہیں۔"

ظاہر ہے کہ اس کا کیا مطلب تھا۔ یہی مطلب تھا کہ نواب صاحب کفترہ تشریف لا رہے ہیں اور صاحبزادی صاحبہ بھی پردہ میں چلی جائیں، چنانچہ صاحبزادی صاحبہ مطلب سمجھ گئیں وہ خود پردہ میں جانا چاہتی تھیں لیکن ملکہ زمانی کا خیال تھا کہیں وہ برا نہ مان جائیں۔ قبل اس کے کہ صاحبزادی صاحبہ کچھ بولیں ملکہ زمانی بیگم بیچ میں بول اٹھیں "لو اور سنو میری بیٹی ہے، ماموں سے پردہ کاہے کا۔"

اتنا ہی کہنے پائی تھیں کہ ایک دم سے نواب صاحب گویا آن ہی پہنچے ملکہ زمانی بیگم جھپٹ کر بھائی سے ملنے کیلئے بیقرار ہو کر اٹھیں اور اٹھتے اٹھتے صاحبزادی صاحبہ کا بھی ہاتھ کھینچ لیا۔ جلدی سے آگے بڑھیں پھر گھبرا کر پلٹیں اور صاحبزادی کے کان میں جلدی سے کچھ کہا اتنے میں نواب صاحب آ ہی گئے تھے، ساز خاموش ہو گئے۔ نواب صاحب بنارسی اچکن پہنے اور ایک ہیرے کی کلغی لگائے ہوئے تھے چوڑا چکلا سینہ۔ بلند قامت، چہرہ سے اقبال برس رہا تھا اور اس وقت ان کا چہرہ خوشی کے مارے جگمگا رہا تھا۔ بہن کو دیکھتے ہی جذبات کیوجہ سے ان کے بشاش چہرہ پر ایک جھلکی سی آئی اور انھوں نے کچھ عجیب ہی طرح کانپتی آواز میں بہن کو سلام کیا...... "آپا سلام"۔

سلام کے جواب میں ملکہ زمانی بھائی کے اوپر گویا وارفتہ ہو کر گریں اور بھائی کو محبت کے مارے چمٹا لیا۔ ملکہ زمانی بیگم خود بے قابو ہو گئیں اور چھوٹے بھائی سے ملکر بہت روئیں بھائی اور بہن کی عمر میں اتنا فرق تھا کہ ماں اور بیٹے معلوم ہوتے تھے کیونکہ ملکہ زمانی بیگم صدموں اور ذلت کیوجہ سے بالکل بڈھی ہو گئی تھیں بہن اور بھائی جب الگ ہوئے تو نواب صاحب کی نظر صاحبزادی صاحبہ پر پڑی اور لمحہ بھر کے لئے گویا گڑ کر رہ گئی۔ صاحبزادی صاحبہ نے سلام کیا لیکن اسکے بعد ان پر کچھ عجیب حجاب اور بے بسی طاری ہو گئی ان کی انتہا سے زیادہ بھولی صورت اور عجیب و غریب لباس شاہی زیور اور پھر ان کا ملکوتی حسن اور اس پر شرم و حجاب کی ہوائیاں۔ بس یہ معلوم ہو رہا تھا کہ گلاب کی پنکھڑی ہے کہ دھوپ کی شدت سے لجائی جاتی ہے بلکہ زمانی نے صاحبزادی صاحبہ کو قریب بلایا طلسم خاموش کو ایک جنبش ہوئی اور صاحبزادی صاحبہ آگے بڑھیں قرینہ سے انھوں نے

نذر پیش کی جو نواب صاحب نے خندہ پیشانی سے قبول کی اور ملکہ زمانی بیگم نے صاحبزادی صاحبہ کے حالات نواب صاحب کو سنانا شروع کئے اب اس موقعہ پر میری نظر بیگم صاحبہ کفترہ پر پڑی۔ ان کا چہرہ سفید تھا پیشانی پر عرق نمایاں چہرے پر ہوائیاں ایک مردنی سی ان کے خوبصورت چہرہ پر تھی اور ان کی نظر ایسے نامدار شوہر پر تھی یا صاحبزادی صاحبہ کے چہرے پر لیکن بہت جلد حالت بدل گئی کیونکہ نواب صاحب نے باتیں کرتے ہی ایک انگلی کا اشارہ ناچنے والیوں کو کر دیا۔ اشارہ کے ساتھ ہی گویا راگ راگنیاں جاگ اٹھیں کمرے میں ایک دم سے ایک تڑپ سی پیدا ہو گئی اور اپنی پوری آن بان اور عجیب و غریب ساحرانہ شان کے ساتھ ناچ اور رنگ کی محفل چمک اٹھی ساز کے تاروں کا دلربا جھناٹا ناچنے والی تتلیوں کے رقص کی پھڑپھڑاہٹ ان کی شاعرانہ اور افسوں ساز حرکات پیروں کا نیا تلا جھماکا اور سریلے راگ ان سب چیزوں نے پھر ایک دم سے رقص و سرودگی گرمی سے جشن میں جان ڈال دی۔

نواب صاحب کفترہ آہستہ آہستہ باتیں کرتے لیکن صاحبزادی صاحبہ کو بھی دیکھتے ہوئے بڑی شان کیساتھ خراماں خراماں شہ نشین پر آئے اور بیٹھ گئے لیکن ملکہ زمانی بیگم نے بہت جلد ان کو محفل سے اٹھالیا اور ان کو ساتھ لے کر محفل کو اسی رنگ میں چھوڑ کر کمرے سے باہر چلیں۔ قاعدے کے موافق خدمت کی حاضری کے لئے میں بھی پیچھے پیچھے فاصلے پر چلی لیکن ملکہ زمانی بیگم نے مجھے ہاتھ سے اشارہ کر دیا اور میں کھڑی رہ گئی ملکہ زمانی بیگم نواب صاحب کے ساتھ باتیں کرتی ہوئی محل کے دوسرے حصہ میں پہنچی ہی تھیں کہ پیچھے سے کسی نے میرا ہاتھ پکڑا میں نے مڑ کر دیکھا تو ایک چلبلی اور گستاخ چھوکری کو کھڑا پایا اور برابر اس کے ایک ادھیڑ عمر کی

خواص بھی مجھ سے بولی۔ "ہماری بیگم صاحبہ کیلئے تم کہاں سے یہ زہریلی پڑیا لے آئیں"
میں اس کا مطلب سمجھ گئی یہ زہریلی پڑیا صاحبزادی صاحبہ کو کہہ رہی تھی
مجھے سخت غصّہ آیا اور میں نے جل کر کہا :۔

"صبر ہے تمہاری جان پر نہ تم ماموں کو ماموں.... سمجھو اور نہ بھانجی کو بھانجی
واہ۔ ادھیڑ عمر کی خواص بولی "بہن تم سچ کہتی ہو، مگر تمھیں یہاں کا حال نہیں
معلوم۔ خدا سلامت رکھے ماموں اور بھانجی کو مگر ہم لوگ کیا کریں جو دیکھتے ہیں کہنا
پڑتا ہے۔ مگر خدا نہ کرے ہمارا کچھ اور مطلب نہیں۔ بکتی ہے یہ مردار!"

اتنی باتیں ہونے پائی تھیں کہ ان دونوں کو کسی نے آواز دی اور یہ ایک
دم سے چلی گئیں اب میں کھڑی تھی بادشاہوں کا قاعدہ ہے کہ نوکروں کو رخصت
بھی کر دیتے ہیں کہ جاؤ اور پھر ایک دم سے طلب بھی کرنے لگتے ہیں لہذا ہم لوگوں
کا قاعدہ ہے کہ باوجود منع کر دینے کے حاضر ہی رہتے ہیں اور پھر سچ پوچھیے
تو میں رازدار اور جاسوس ٹھہری۔ لہذا سن گن لینا میرا فرض ٹھہرا اور میں اب
چلی اسی طرف جس طرف ملکہ زمانی بیگم اپنے بھائی کے ساتھ گئی تھیں۔

مظالم لنگران

میں بے دھڑک اسی طرف چلی گئی جس طرف ملکہ زمانی بیگم اپنے بھائی کے ساتھ گئی تھیں آگے بڑھ کر کمرہ در کمرہ کے راستے در بیتیں تھے اور میری سمجھ میں نہ آیا کہ اب کدہر جاؤں۔ کسی سے دریافت کرنا میں مناسب نہ سمجھتی تھی۔ ویسے بھی یہاں کوئی نہ تھا کیونکہ جشن کیوجہ سے یہ حصہ ویرانہ سا ہو رہا تھا لیکن اکا دکا تیزی سے گزرنے والیاں ہر دروازہ سے جھپٹتی چلی آتی تھیں۔ میرے داہنے ہاتھ کو عالیشان برآمدہ تھا جس میں کمروں کی قطار چلی گئی تھی اور سامنے ایک گیلری چلی گئی تھی میں سوچ رہی تھی کہ ہماری ملکہ کدہر گئی ہوں گی کہ اتنے میں ایک خواص ایک چاندی کی کشتی میں خالی فنجان لئے ہوئے برابر کے کمرہ سے نکلی ہے مجھے دیکھکر کچھ نہ بولی۔ لیکن میں سمجھ گئی کہ ہماری ملکہ کے پاس سے آرہی ہے وہ تو نکلی چلی گئی اور میں نے دروازہ سے کان لگائے اور معلوم کرلیا کہ ملکہ زمانی بیگم اور نواب صاحب اسی کمرے میں باتیں کر رہے ہیں چشم زدن میں مجھے خیال آیا اس طرح کان لگا کر باتیں سننا غیر ممکن تھا لہذا مجھے زینہ کی تلاش ہوئی اور بغیر کسی کے پوچھے گچھے برآمدے کے اختتام پر مجھے زینہ مل گیا۔ تیزی سے میں چڑھی چلی گئی اور دبے پاؤں کھڑکی کے پاس پہنچ کر میں نے ایک آنکھ کے گوشے سے اندر جھانک کر دیکھا۔

ملکہ زمانی ایک صوفہ پہ بیٹھی تھیں اور سامنے ان کے بھائی ایک نیچی سی کرسی پر بیٹھے تھے داہنے ہاتھ کو نواب صاحب کی چھوٹی بہن شہزادی بلقیس جہاں بیٹھی ہوئی تھیں ان کا ذکر میں اب کروں گی۔ دبلی۔ پتلی نازک اندام نہایت ہی.... خوبصورت اور عجلت پسند اور غصہ ور تھیں۔ طبیعت میں غرور اور تمکنت ایسی معلوم ہوتی تھی کہ جیسے کفرتہ کا جلال ایک حسینہ کی مورت میں آگیا تھا۔ کوئی بیس اکیس برس کی عمر ہوگی لیکن شادی نہ تو ابھی ہوئی تھی اور نہ ہونے کی امید تھی۔ سیر و سیاحت کی بہت شوقین تھیں اور اس طرح سیر و سفر کرتی تھیں کہ لوگوں کو معلوم بھی نہ ہوتا تھا کہ کون ہے کون نہیں زیادہ تر کلکتہ میں رہتی تھی جہاں نواب صاحب کی عالیشان کوٹھی تھی۔

ملکہ زمانی بیگم داہنے ہاتھ کو جھٹک جھٹک کر کہہ رہی تھیں چھوٹی بہن آنکھیں پھاڑے اپنا خوبصورت منہ کھولے تعجب سے سُن رہی تھیں، لیکن ان کی جبیں پر غصہ کی تحریر اس قدر نمایاں تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ مجسم جلال ہیں۔ نواب صاحب البتہ قدرے خاموشی اور سنجیدگی سے سُن رہے تھے ملکہ زمانی کہہ رہی تھیں۔

"..... ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔ یہ قطعی ناممکن تھا مگر میں کیا کرتی مجبور تھی لاچار تھی ظالم کے جنگل میں تھی تم نے دیکھ لیا اور سُن لیا کہ کفرتہ کے عالی خاندان کی کس طرح ذلت ہوئی کفرتہ کے نواب کی بیٹی ...... اور کفرتہ کے نواب کی سگی بہن اور لنگران کے نواب کی بیاہتا اور بڑی بیگم اور پھر خود لنگران کے ہاتھوں اس کی ذلت ہو کفرتہ کے شاہی خاندان کی لڑکی خواصوں کی دھمکیاں کیسے سن سکتی ہے مگر مجھے سننا پڑی۔ ذلیل اور بازاری عورتوں کے آگے کفرتہ کی شہزادی کو محض کفرتہ کے شاہی خاندان کی عزت اور آبرو بچانے کے لئے جھکنا پڑا انکی جوتیاں کھانی

پڑیں اور حیف صد حیف کہ یہ سب کچھ ذلت کفترہ کے والی اور کفترہ کے مالک اور اپنے پیارے بھائی کے ہوتے ساتے یہ سب ذلتیں مجھے اٹھانا پڑیں۔ تم میرے بھائی ہو۔ کفترہ کے شاہی خاندان کا آسرا ہو۔ خدا تمہیں کفترہ کی گدی پر ہزاروں برس قائم رکھے۔ سب کچھ ہو مگر یہ تو بتاؤ کہ کفترہ کے شاہی خاندان کی عزت اور حرمت کے محافظ بھی ہو یا نہیں۔ تمہارے ہوتے ہوئے اگر کفترہ کے نام پر بٹہ لگایا کفترہ کی شہزادیوں کی ذلت ہوئی تو اس کے ذمہ دار تم ہو۔ لہٰذا جو کچھ بھی ذلت لنکران کے ہاتھوں کفترہ اور کفترہ کی شہزادیوں کو اٹھانا پڑی ہے یا تو خود لنکران سے اس کا انتقام لو ورنہ اپنے آپ کو کفترہ کے شاہی خاندان کا سردار کہنا چھوڑ دو۔"

چھوٹی شہزادی کا خوب صورت چہرہ مارے غصے کے تمتما اٹھا۔ کفترہ کے شاہی خاندان کا جلال سمٹ کر گویا اس خوبصورت شہزادی کے چہرے پر آگیا۔ بھائی کی طرف اس نے بڑی بہن کی حمایت میں کچھ حقارت کی اور کچھ توقع کی نظروں سے دیکھا اس کے خوبصورت ہونٹوں کو ایک لرزش سی ہوئی اور وہ کچھ بولنے ہی والی تھی کہ نواب صاحب نے کچھ پریشان ہو کر کہا۔

تم سچ کہتی ہو لیکن میری مجبوریوں کو نہیں دیکھتیں وہ زمانہ نہیں کہ کفترہ کی فوجیں لنکران کی گلیوں میں خون بہانے جائیں اور نہ وہ زمانہ ہے کہ کفترہ کا نواب لنکران کے نواب کو اس بے حیائی اور بزدلی پر تیغ لے کر برسرِ میدان للکارے وہ زمانہ گیا۔ اب تمہیں بتاؤ کہ میں کیا کروں ؟"

چھوٹی شہزادی ایک دم سے مارے غصے کے چمک اٹھی اور حقارت آمیز لہجہ میں بولی "کیا کروں کیجئے یہ کہ لنکران سے انتقام لیجئے انتقام لیجئے"۔

نواب صاحب نے اپنی جوشیلی بہن کی طرف دیکھا کچھ مسکرا کر پیٹھ پر تھپکتے ہوئے کہا اچھا تو بتا کوئی ترکیب کیسے بدلہ لوں۔ لنکران جا کر موذی کو مار ڈالوں اس کے لئے بھی تیار ہوں مگر پھر وہاں سے زندہ لوٹنا مشکل ہے۔ تو کہدے تو میں ابھی جانیکو تیار ہوں۔

شہزادی بولی "کیا لنکران کے باہر بدلہ لینے کو کوئی موقعہ نہیں مل سکتا"

اس موقع پر دروازے پر کسی نے دستک دی ایک خواص اندر آئی اور ملکہ زمانی سے اس نے علیحدہ لیجا کر غالباً صاحبزادی صاحبہ کا کوئی پیغام پہنچایا ہوگا کہ ملکہ زمانی پانچ منٹ کے لئے کمرے سے باہر خواص سے باتیں کرنے میں مشغول ہوئیں اور ادھر چھوٹی شہزادی نے بھائی سے کہا جس طرح کفترہ کے خاندان کی توہین لنکران والوں نے کی ہے اسی طرح کفترہ والے بھی کر سکتے ہیں"۔

نواب صاحب نے اپنی بہن کیطرف دیکھا اور آنکھوں میں آنکھیں ڈالکر کہا "کیا مطلب"

شہزادی نے کمرے کے دروازے کیطرف دیکھا جدھر ملکہ زمانی گئی تھیں اور کہا "جس طرح کفترہ کی شہزادی کی ذلت لنکران کے ہاتھوں ہوئی ہے اسیطرح لنکران کی شہزادی"

شہزادی ایک دم سے رک گئیں کیونکہ زمانہ داخل ہوئیں انھوں نے بھائی اور بہن کی طرف دیکھا اور اپنی جگہ بیٹھ گئیں۔ کچھ رک کر بولیں بھیا سوائے تیرے اب میرا والی وارث اس دنیا میں کوئی نہیں ہے اگر تیرا جی چاہے تو باپ دادا کی عزت کا خیال کر کے دشمن سے بدلہ لے اور نہیں تو جیسے میں بے صبر کیا ہے تو بھی صبر کر"۔

شہزادی بلقیس چمک کر بولی۔ آپا جان خدا بھائی صاحب کو سلامت رکھے ایک بھائی ہیں اگر ہمارے اوپر ظلم ہو تو یہ بدلہ نہ لیں گے تو اور کون لیگا۔ میں تو ان کے منہ پر کہتی ہوں کہ اگر انھوں نے لنکران سے بدلہ نہ لیا تو میں انکا منہ نہ دیکھونگی ان کو بھائی کہنا چھوڑ

دوں گی۔ آپ بھی ان سے یہی کہہ دیجئے۔"

تیز و طرار شہزادی نے اتنا کہکر جو آتش بیانی بھائی کے خلاف شروع کی ہے تو کہتی ہی چلی گئی وہ لسانی اور تیزی دکھائی کہ میں عش عش کر گئی حتی کہ ملکہ زمانی نے بھی جل کر بھائی سے کہدیا کہ اگر میری توہین کا تم نے بدلہ نہ لیا تو میں بھی تمھیں بھائی کہنا چھوڑ دوں گی اور مرتے مرجاؤں گی مگر منہ نہ دیکھوں گی۔ قصہ مختصر دونوں بہنیں بھائی پر برس پڑیں۔ بھائی خاموش سنتا رہا۔ اور جب بہنوں نے چپ ہو کر بھائی سے جواب مانگا تو بھائی نے باری باری سے دونوں بہنوں کیطرف دیکھا آنکھوں میں آنکھیں ڈالکر کہا" اگر میرے دم میں دم ہے تو لنگر ان سے ضرور بدلہ لوں گا۔"

بھائی کا یہ کہنا تھا کہ چھوٹی بہن نے تڑپ کر بھائی کے گلے میں باہیں ڈال کر سر کو بوسہ دیا اور بڑی بہن اٹھکر بھائی کے لپٹ گئی اور خوب دل کی بھڑاس نکالی اور ادھر میں کانپ کر گویا کھڑکی کے پاس گری ایک نظر میں نے آسمان پر ڈالی معاً ایک ستارہ ٹوٹ کر روشنی کی ایک خوفناک لکیر آسمان کی تاریک فضا میں بناتا چلا گیا اور پھر تاریکی میں ڈوب گیا میں اس کو دیکھکر سہم گئی الٰہی یہ تو وہی منحوس تارہ ہے ... بالکل ویسا ہی ... جو رنگین محل کی بربادی سے پہلے میں نے دیکھا تھا خدایا خیر میری زبان سے آہستہ سے نکلا ایک دم سے میں گھبراگئی سایہ کی طرح وہاں سے غائب ہوئی اور زینہ سے اتر کر سیدھی بڑے ہال پہنچی چھما چھم اور جھنا جھن کی دلچسپ آوازوں سے ہال گونج رہا تھا وہی زندہ دلی اور وہی پریوں کا ناچ ہو رہا تھا صاحبزادی صاحبہ رونق محفل بنی بیگم صاحبہ گلفترہ کے ساتھ ہنس بول رہی تھیں اور دیکھ رہی تھیں۔

میرا مشورہ

مجھے کیا کرنا چاہیے؟ میں گہرے سوچ میں تھی جن لوگوں کے ساتھ میں آئی تھی وہ خوب جانتے تھے کہ میں جہاں پناہ کی طرف سے ایک جاسوس ہوں میری موجودگی ان کو ہرگز گوارا نہیں تھی لیکن شاید ایک خاص وجہ سے میں ابھی تک نہیں نکالی گئی تھی اور وہ وجہ یہ تھی کہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں کہ کس طرح لنکران کے مظلوموں پر کفترہ کے فضل و کرم کی بارش ہوتی ہے۔ تاکہ میں لنکران جا کر چشم دید حالات بیان کروں اور جہاں پناہ سلامت کفترہ کے حالات سن سن کر انگاروں پر لوٹیں ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں میرا مشورہ بھلا کہاں تک قبول ہو سکتا تھا ملکہ زمانی بیگم اور ...... صاحبزادی صاحبہ مجھ کو سرکاری رازدار اور اپنا بدخواہ سمجھتی تھیں حالانکہ خدا گواہ ہے کہ میں اپنے نمک کی سچی تھی اور لنکران کے شاہی خاندان کا ذرہ ذرہ میرے لئے قابلِ پرستش تھا مگر بے اعتمادی کا بھلا ہو کہ میری پوزیشن بدقسمتی سے کفترہ میں ایک بدترین بدخواہ کی سی تھی۔

ہم لوگوں کو آئے ہوئے تیسرا دن تھا اور گرم خبر تھی کہ صاحبزادی صاحبہ کو سات ہزار روپے سالانہ کی جاگیر مرحمت کی جانیوالی ہے کیونکہ ظاہرا اسباب ایسے تھے کہ صاحبزادی صاحبہ کے واپس جانے کی اب کوئی صورت باقی نہیں رہی تھی۔

بہت سوچ بچار کے بعد میں نے تہیہ کر لیا کہ اپنا فرض ادا کروں اور اپنی آقازادی کو جس طرح بن پڑے بچاؤں بہ نسبت صاحبزادی صاحبہ کے نواب دولہ صاحب سے مجھے کہنا بہتر معلوم ہوا لہذا میں ان کے پاس پہنچی میں خوب جانتی تھی کہ میری جان خود خطرے میں پڑ جائے گی اور خدا معلوم مجھے کیا سزا ملے لیکن میں نے طے کر لیا کہ خواہ کچھ بھی ہو میں نواب دولہ صاحب سے ضرور کہوں گی۔ چنانچہ میں ان کے پاس باہر محل میں پہنچی میں جب پہنچی ہوں تو نواب صاحب کی خدمت میں ہو کر آئے تھے۔ بیحد خوش تھے کیونکہ ان کی موجودگی میں شہزادی صاحبہ کی جاگیر کے بارے میں ابھی ابھی فرمان صادر ہوا تھا مجھ کو دیکھ کر کچھ خوش نہ ہوئے میں نے آگے بڑھ کر عرض کی کہ تنہائی میں کچھ عرض کرنا چاہتی ہوں صافہ اتارتے ہوئے انھوں نے اپنی شاندار آنکھوں سے میرے دل کی گہرائیوں کو ناپنا چاہا اپنے چوڑے چکلے سینے اور فولادی بازوؤں کو ایک ناقابل بیان جنبش دی اور کہا۔ اچھا۔

کمرے میں تنہائی تھی ایک خادم پیچوان رکھ کر چلا گیا صوفے پر انھوں نے اپنے دیو پیکر جسم کو دراز کر دیا۔ مجھے قریب بلا کر فرش پر بٹھایا اور کہنے لگے "کیا کہنا چاہتی ہو۔"

میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کہوں اور کیا نہ کہوں مگر کہنا ضرور تھا چنانچہ میں نے کہا۔ "خدا آپ کو ہزاری عمر دے میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ حضور والا بہتر ہے کہ مع صاحبزادی صاحبہ کے جس قدر جلد ممکن ہو گفرہ سے نکل جائیں۔"

شاید یہ عجیب و غریب مشورہ سننے کے لئے وہ قطعی تیار نہ تھے اور پیچوان کی مثال علیحدہ کرتے ہوئے انھوں نے برا مان کر میری طرف گھور کر کہا "کیا مطلب"۔ میں نے سنجیدگی کے ساتھ جو کہا تھا پھر دہرایا اور زور دے کر کہا تو وہ بولے:۔

بہتر ہے کہ تم اپنے مشورے رہنے دو جس کام کے لئے تم ہمارے ساتھ آئی ہو ہم خوب جانتے ہیں کہ تم اپنا فرض ادا کرنے کی فکر میں ہر دم لگی ہوئی ہو مگر خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ اگر تم نے لنکران کے بہتیرے یہاں چلے تو یہاں خیریت نہیں ہے کیا تم چاہتی ہو کہ دنیا میں کہیں بھی ہم دو گھڑی چین سے نہ بیٹھنے پائیں؟"

میں نے کہا "حضور والا یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ مجھے معلوم ہے کہ آپ خوب جانتے ہیں آپ سے پوشیدہ نہیں ....

.... کہ میں کیا کہوں یہ بھی مجھے معلوم ہے کہ آپ میرے فرائض سے واقف ہیں۔ لیکن خدا کے واسطے کہا مانیئے اور جس قدر جلد ممکن ہو کفترہ سے نکل جایئے ورنہ یاد رکھئیے کہ پانی سر سے گذر جائے گا میں اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر کہتی ہوں آپ کو قسم ہے لنکران کی عزت و حرمت کی کہ آپ جلد سے جلد کفترہ سے چلے جایئے ورنہ ...... ورنہ ....ورنہ ....."

"ورنہ کیا ہو گا؟" صوفے پر تڑپ کر بیٹھے ہوئے نواب دولسنے کہا۔

میں نے کہا "میرے منہ میں خاک آقائے لنکران کی عزت اور حرمت خطرہ میں ہے"۔

نواب دولہ یہ سن کر کہنے لگے "اب زیادہ عیاری تو مجھ سے چلو مت تم چاہتی ہو کہ ہمارا یہاں بھی ٹھکانا نہ رہے تو یاد رکھو کہ ناک چوٹی کاٹ کر لنکران بھیج دی جاؤں گی آئی وہاں سے بھوت ڈائنے والی چل دور ہو"۔

آخری جملہ سن کر میں اچھل پڑی اور میں نے تیز ہو کر کہا کہ "خدا کے واسطے رحم کیجئے سمجھ سے کام لیجئے میں آپ کو سب کچھ بتائے دیتی ہوں"۔

یہ کہہ کر میں نے جو کچھ بھی ملکہ زمانی بیگم اور نواب صاحب اور شہزادی بلقیس کے درمیان باتیں گذری تھیں سب کچھ سنا دیں اور کہا :۔

"میں نے آپ سے سب کچھ کہہ دیا اور اپنی جان خطرہ میں ڈال دی سُن لیجئے، کان کھول کر کہ لنگران اعظم کی عزت اور آبرو خطرے میں ہے آگے آپ جانیں آپ کا کام"

میرا اتنا کہنا تھا کہ غیض و غضب کے مارے نواب دولہ کا چہرہ لال ہو گیا ۔۔۔ آنکھوں سے چنگاریاں اڑنے لگیں۔ انتہائے غصے میں انھوں نے میری طرف خونی آنکھوں سے دیکھ کر کہا۔

"افوہ! مکارہ ۔۔۔۔ حرافہ کہیں کی ۔۔۔۔ ٹھہر تو جا"

اتنا کہہ کر انھوں نے آواز دی "کوئی ہے"

"حاضر حاضر" کہتے ہوئے دو چوبدار دوڑے آئے۔ نواب صاحب کے حکم کے بموجب انھوں نے میری چوٹی پکڑ کر گھسیٹ کر کمرے کے باہر نکال دیا اور دو چار لاتیں ماریں۔ میں مار کھا کر سیدھی محل میں پہنچی۔

میں مار کھا کر سیدھی اندر پہنچی تو کیا دیکھتی ہوں کہ سامنے بارہ دری میں خوش فعلیاں ہو رہی ہیں۔ شہزادی بلقیس جہاں صاحبزادی صاحبہ کے ساتھ چوسر کھیل رہی تھیں چوسر کیا ہو رہی تھی ادھم مچ رہا تھا۔ گویا ہنسی اور خوشی کا اکھاڑا جما ہوا تھا میں نے صاحبزادی صاحبہ کو اور شہزادی بلقیس کو غور سے دیکھا۔ کیا کوئی اس وقت کی بے تکلفی اور خوش دلی اور خوش مزاجی کو دیکھتے ہوئے یہ کہہ سکتا تھا کہ شہزادی بلقیس در پردہ صاحبزادی صاحبہ کی تباہی کے در پے ہیں۔ شہزادی بلقیس اس وقت

شوخی اور خوش دلی کا نمونہ ہو رہی تھیں اور اپنی زندہ دلی اور خوش فعلیوں سے صاحبزادی صاحبہ کو ہنساتے ہنساتے دیوانہ کر دیا تھا۔ خدا کی پناہ یہ دریدہ عیاری دیکھ کر اور اپنی بے بسی کا خیال کر کے ایک دم سے جی تو یہی چاہا کہ شہزادی بلقیس کے بال پکڑ کر گھسیٹ لوں اور منہ نوچ لوں کہ کمبخت بس کی گانٹھ ہے خوبصورت بلا بنکر لنگران کی عزت کے درپے ہو رہی ہے مگر مجبور و لاچار تھی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کروں کیا نہ کروں کبیدہ خاطر ہو کر میں اپنی جائے قیام پر منہ لپیٹ کر پڑ رہی تھوڑی دیر آنکھیں بند کئے پڑی رہی پھر نیند آگئی۔

کوئی گھنٹہ بھر مشکل سے سوئی ہوئی ہوں گی کہ ایک خواص نے مجھے آکر جگایا اور کہا کہ تمہاری ملکہ تمہیں بلاتی ہیں۔ حالانکہ کوئی خاص بات نہ تھی لیکن میں تاڑ گئی کہ کچھ دال میں کالا ہے میں نے دو چار سوال کئے تو ہوں ہاں کر کے اس نے ٹال دیا۔ میں اس کے ساتھ چلی بجائے ملکہ زمانی کے کمرے کی طرف چلنے کے اس نے بڑے محل کی طرف اشارہ کیا میں چلتے چلتے رک گئی اور خواص کی طرف دیکھا تو اس نے سر نیچا کر لیا۔

قصہ مختصر میں بڑے محل کے کمرے میں جو پہنچی ہوں تو دھک سے رہ گئی۔ نواب صاحب کفترہ اور ملکہ زمانی بیگم اور شہزادی بلقیس اور صاحبزادی صاحبہ موجود تھیں۔ داخل ہوتے ہی ادھر تو میں نے سلام کیا ہے اور ادھر صاحبزادی صاحبہ نواب صاحب سے بولیں:۔

"ماموں صاحب اس قطامہ کو واجبی سزا ملنی چاہیے"۔

میرے سلام کا جواب بھلا کیا ملتا۔ ایک دم سے چار پانچ خواصیں اشارہ پاتے ہی لپٹ پڑیں نواب صاحب نے چلا کر کہا "اس کی ناک اور چوٹی کاٹ کر بذریعہ پارسل لنگران بھیجدو اور جوتے مار کر محل سے نکال دو"۔

چشم زدن میں میری چوٹی کاٹ لی گئی اور ناک کٹنے ہی والی تھی کہ نواب صاحب نے چلا کر کہا چھوڑ دو۔ چھوڑ دو ...... حوالات میں جا کر بند کر دو"۔

خواصوں نے لے جا کر مجھے زنانہ حوالات میں ڈال دیا۔ جہاں میں رات گئے تک پڑی رہی رات کے کوئی گیارہ بجے ہوں گے کہ حوالات کا دروازہ کھلا اور شہزادی بلقیس مسکراتی ہوئی آئیں بغیر کہے سنے میرا ہاتھ پکڑ کر باہر لائیں اور مجھ سے کہا "چلو سرکار بلاتے ہیں"۔

ایک عالی شان اور شاہانہ کمرے میں نہایت سادہ کپڑے پہنے ہوئے نواب صاحب کفرشی پیچوان لگائے بڑی شان سے بیٹھے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی میرے سلام کے جواب میں قہقہہ لگا کر ہنس پڑے اور بولے "آؤ رزن خاں تمہاری چوٹی تو بذریعہ ڈاک بیمہ کر کے میں نے لنگران بھیجدی اور یہ سوچ رہا ہوں کہ ناک بھیجوں یا نہ بھیجوں"۔

میں نے بھی ہمت کر کے کہا "سرکار ناک تو حرام خوروں کی کاٹی جاتی ہے ویسے آپ مالک ہیں"۔

شہزادی بلقیس بولیں "اگر تم سچ سچ بتلا دو گی تب تو خیر ورنہ سچ مچ تمہاری ناک کاٹ کر لنگران کے کوسے کو بھیجدی جائے گی"۔

اس کے بعد نواب صاحب نے مجھ سے دریافت کیا کہ میں نے نواب دولہ صاحب سے کیا کہا تھا۔ میں نے ساری کیفیت سچ سچ بتا دی یہ بھی اقبال کر لیا کہ میں نے چپکے سے باتیں سن لی تھیں کہ آپ دونوں لنگران سے بدلہ لینا چاہتے ہیں نواب صاحب

مطمئن ہو گئے اور کہنے لگے کہ اُب تمہاری ناک سلامت ہے اور جان بھی سلامت ہے تمھیں بہت اچھی طرح جانتا ہوں اور تمہاری قدر کرتا ہوں کہ ایسا ملازم اور راز دار لشکران کو ملنا مشکل ہے لیکن اب شرط یہ ہے کہ تم سمجھ دار ہو اور عقلمند بھی ہو لہذا میں چاہتا ہوں تمہارے نالائق آقا سے جو بدلہ لیا جانیوالا ہے اس کا کوئی عینی شاہد ہو تاکہ تمہارے آقا کو چشم دید حالات معلوم ہو سکیں مگر اتنا خیال رہے کہ اپنی ملکہ کی دلدہی کرنا اور اسی لئے میں تم کو کل صبح چھوڑ دوں گا اور کل صبح تک تم حوالات میں رکھی جاؤ گی مگر یاد رکھنا کہ اگر اپنی ملکہ کی دلدہی کرنے کے بجائے تم نے کوئی اور حرکت کی تو زندہ گڑوا دوں گا۔

اتنا کہہ کر مجھے رخصت کیا کمرے کے باہر نکلتے ہی مجھے دو خواصوں نے اپنی گرفت میں لیا اور حوالات میں لے جا کر بند کر دیا۔

مظالم کفرۃ

رات کے کوئی دو بجے تک حوالات میں مجھے نیند نہ آئی طرح طرح کے پریشان کن خیالات کا ہجوم رہا۔ جب نیند آئی تو خواب میں بھی یہی حالت رہی صبح ہوئی تو میں اس انتظار میں تھی کہ حسب وعدہ مجھے چھوڑ دیا جائیگا لیکن دوپہر کا کھانا مجھے حوالات ہی میں ملا اور کوئی رہائی کی خبر نہ ملی۔ حتیٰ کہ شام کے کوئی چار بجے شہزادی بلقیس آئیں خدا کی پناہ ان کا چہرہ مارے خوشی کے تمتمایا ہوا تھا پھول کیطرح کھلی ہوئی تھیں حوالات کا دروازہ کھلوا کر انھوں نے بڑی خوشی کے لہجہ میں کہا "بھاگ جاؤ اب رود ٹل مل گیا۔"

اتنا کہہ کر وہ تو ہوا ہو گئیں اور میں بجائے سیدھی محل میں صاحبزادی صاحبہ یا ملکہ زمانی بیگم کے پاس جانے کے باہر نکلی باہر آکر مجھے معلوم ہوا کہ نواب دولہ صاحب کو ایک بجے کے قریب محل کے باہر طلب کر کے ان کو ایک تحریری نوٹس دیا گیا کہ بارہ گھنٹہ کے اندر اندر ریاست کفرۃ کے حدود سے باہر نکل جائیں ایک موٹر حاضر تھا اور دوسری موٹر پر مسلح گارڈ موجود تھا اور بغیر کسی قسم کی وجہ بتائے ہوئے مسلح گارد نے اس حکم کی تعمیل میں ان کو ریاست سے باہر نکال دیا اس واقعہ سے سارے محل میں کھلبلی سی مچی ہوئی تھی یہاں سے میں نے چاہا کہ اندر صاحبزادی صاحبہ اور ملکہ زمانی کے پاس جاؤں تو معلوم ہوا کہ ڈیوڑھی پر دو نیز چاروں طرف محل کے مسلح گارد کا پہرہ

ہے۔ مگر مجھے روکنے والا کون تھا۔ میں اندر پہنچی تو معلوم ہوا کہ اندر بھی قیامت بپا ہے میں دوڑی ہوئی ملکہ زمانی کے پاس پہنچی تو میں نے تعجب سے دیکھا کہ بجائے پریشان ہونے کے وہ قدرے غضب ناک تھیں اس کی وجہ بھی عجیب و غریب تھی وہ یہ کہ.....

صاحبزادی صاحبہ محل کے جس حصہ میں تھیں اس میں جانے کا راستہ نہ صرف بند تھا بلکہ وہاں سپاہیوں کا مسلح پہرہ لگا ہوا تھا۔ ایسا کہ نہ اس طرف سے کوئی اُدھر جا سکتا تھا اور نہ اِدھر سے اُدھر آسکتا تھا یہی کیا کم خفا ہونے کی بات تھی کہ علاوہ اس کے نواب صاحب کو وہ کئی بار طلب کر چکی تھیں مگر اس کا جواب ہی نہ ملتا تھا حالانکہ وہ مجھ سے بیحد خفا تھیں۔ لیکن مجھے دیکھتے ہی انھیں کچھ اطمینان سا ہو گیا۔ میں نے دوڑ کر ان کے قدموں میں سر رکھ دیا اور رو کر کہا "شہنشاہ بیگم لنگران پر بڑا وقت آگیا میں نے اتنا ہی کہا تھا کہ بیگم صاحبہ نے اشارہ کیا اور کمرے میں تنہائی ہو گئی۔ بیگم صاحبہ کی یہ حالت تھی کہ اب بھی ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ میں نے ان کو اچھی طرح ان کے بھائی اور چھوٹی بہن کی کمینہ سازش سے آگاہ کیا اور عرض کیا کہ میری چوٹی خواہ مخواہ کاٹی گئی۔ اور ان سے وہ باتیں بھی کہہ دیں جو نواب صاحب نے حوالات سے بلا کر مجھ سے کی تھیں یہ باتیں سن کر بیگم صاحبہ پر گویا ایک غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا لیکن انھوں نے سنبھل کر کہا:۔

"میرا بھائی ایسا نہیں ہو سکتا۔ ناممکن ہے۔ تم ابھی جاؤ اور انھیں بلا کر لاؤ۔"

بیگم صاحبہ کے حکم کے مطابق میں نواب صاحب کو بلانے کے لئے پہنچی۔ نواب صاحب نے مجھ سے کوئی بات بھی نہ کی بلکہ یہی کہلا دیا کہ میں رات کو آؤں گا۔

رات کے کوئی گیارہ بجے ہوں گے، کمرے میں ایک منحوس خاموشی سی چھائی ہوئی تھی اور لنکران کی قسمت بیگم ایک صوفہ پر بیٹھی ہوئی اپنی قسمت کو رو رہی تھی۔ شوہر کے بے رحم اور ظالم ہاتھوں کی ستائی ہوئی اب اپنے سگے بھائی اور سگی بہن کے ہاتھوں ذلت اور مصیبت اٹھا رہی تھی۔ میں صوفہ کے پاس بیٹھی ہوئی تقدیر کا تماشا دیکھ رہی تھی۔

کوئی دس منٹ بعد کمرے کے مخملی پردے کو ایک ہلکی سی جنبش ہوئی اور شہزادی بلقیس جہاں کا نوجوان اور چمکتا ہوا خوبصورت چہرہ دکھائی دیا انھوں نے ایک نظر اپنی غمگین آپا جان پر ڈالی اور غائب ہو گئیں کوئی پانچ منٹ بعد پھر پردہ کو جنبش ہوئی اور نواب صاحب آہستہ سے کمرے میں داخل ہوئے ایک لمحہ بھر کے لئے رکے اور پھر اپنی بہن کی طرف بڑھے بہن کو انھوں نے سلام کیا اور بہن نے سلام کا جواب دیا اور اس کے بعد پھر آپس میں باتیں شروع ہوئیں ادب کے لحاظ سے میں پیچھے سے کمرے سے سرک گئی اور بجائے اندر کے دروازے کے پاس کھڑی ہو گئی۔

ملکہ زمانی بیگم نے شکایت کے لہجہ میں نواب صاحب سے کہا۔

یہ کیا ہو رہا ہے؟ یہ میرے کان کیا سن رہے ہیں اور آنکھیں کیا دیکھ رہی ہیں کیا یہ میرے باپ کا گھر نہیں ہے اور کیا یہ سب میرے بھائی کے راج میں ہو رہا ہے؟

نواب صاحب نے کہا۔ "جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ گفترہ کے دشمنوں سے بدلہ لینے کیلئے ہو رہا ہے۔ کونسی بے غیرتی تھی جو گفترہ کی شہزادی کے لئے لنکران کے شاہی محلوں میں روا نہیں رکھی گئی۔ خدا گواہ ہے کہ گفترہ کے شاہی خاندان میں کسی شہزادی کی ایسی ذلت نہیں ہوئی ہے جیسی کہ تمہاری ہوئی۔ کیا تم میری سگی بہن نہیں ہو؟ کیا تم کو لنکران کی لونڈیوں اور باندیوں نے ذلیل نہیں کیا اور کیا یہ ذلت تمہاری ذات ہی تک محدود ہے۔

اور کیا لنکران کے وحشی نے تمہارے مغرور سر کو آوارہ اور بدقماش عورتوں کے قدموں میں نہیں جھکایا ہے اور کیا تم میری اس روز کی خاموشی سے اور مجبوری سے یہ سمجھے ہوئے تھیں کہ کفترہ کے نوابوں کا جانشین اور نام لیوا لنکران کے ہاتھوں چوٹ کھا کر نچلا بیٹھ سکتا ہے اور کیا تم نے یہ سمجھ لیا کہ کفترہ کے جسم میں شرافت کی ایک چنگاری بھی نہیں ہے؟ وہ زمانہ گیا کہ کفترہ کے شاہی خون سے لنکران کی گلیاں لال ہوتیں اور کفترہ کی تلواروں کی جھنکار لنکران کے شاہی محلوں میں گونجتی وہ زمانہ تو گیا اب لے دیکھ جو ذریعہ انتقام ہے اسی پر صبر و شکر ہے خدا کا شکر ہے کہ میں اپنی پیاری بہنوں کے سامنے اب تک سرخرو ہوں اور رہوں گا۔"

ملکہ زمانی بولیں "نہ معلوم اس بکواس سے تمہارا کیا مطلب ہے۔ میں بالکل نہ سمجھی کیا یہ مطلب ہے کہ لنکران سے بدلہ لینے کے لئے لنکران کی بہن کا منہ کالا کرو گے . . . . . اپنی بہن کی ذلت کرو گے؟ یا اپنی بھانجی کی ذلت کرو گے؟"

قبل اس کے کہ نواب صاحب جواب دیں تیزی سے پردہ اٹھا کر شہزادی بلقیس پہنچیں اور بیگم صاحبہ کے آخری جملہ کے جواب میں بولیں "آپا جان آپ کو کیا ہوا ہے! ہماری بھانجی . . . . . خدا نہ کرے لنکران والوں میں ہماری بھانجی ہو۔ ہمارے خاندان اور ہماری بہن کو ذلیل کرنے والے بدمعاش کی لڑکی ہماری بھانجی ہرگز نہیں ہو سکتی ہم اس سے اپنی توہین کا دل کھول کر بدلہ لیں گے۔"

غضب ہے خدا کا! بلقیس خدا کے غضب سے ڈرو وہ میری اپنی بیٹی ہے کیا اس کی ناک اور چوٹی کاٹ کر میری عزت لو گی؟ میں موجود ہوں میرے جیتے جی تمہاری مجال نہیں جو میری بیٹی کو ذلیل کرو اس کے بدلہ میں موجود ہوں آؤ مجھ سے بدلہ لو۔"

نواب صاحب اور شہزادی بلقیس نے یک زبان ہو کر کہا "نہ معلوم آپ کو کیا ہو گیا ہے!"

ملکہ زمانی بولیں "مجھے کیا ہو گیا ہے یہ کہو کہ تم دونوں کو نہ معلوم کیا ہو گیا ہے جیتے جی عمر دوزخ میں کٹی۔ خدا نے وہ دن دکھایا کہ دوزخ سے نجات لی تو اللہ نے اپنوں اور سگوں کو دشمن بنا دیا خدایا کسی دشمن کو بھی نواب کی بیٹی اور نواب کی بہن اور نواب کی بیگم نہ بنائے یا اللہ تو نے مجھے کسی مزدور غریب کے گھر پیدا کیا ہوتا میں ایسی شاہی پر لعنت بھیجتی ہوں خدا کے لئے تم دونوں میرے بھائی اور بہن ہو۔ میرے اوپر رحم کرو اور مجھے اپنے باپ کی راجدھانی سے نکل جانے دو۔ میں اپنی بیٹی کے ساتھ تنگی ترشی سے یا جیسے بھی ممکن ہو گا۔ گذر کر لوں گی۔ تم مجھے جانے دو......"

. . . .

. . . .

اتنا کہنے پائی تھی کہ بیگم صاحبہ کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ دل بھر آیا اور منہ چھپا کر خاموشی سے رونے لگیں۔ نواب صاحب نے شہزادی بلقیس کی طرف دیکھا۔ شہزادی سے خاموشی سے چل دینے کا اشارہ کیا اور دونوں چلے ہی تھے کہ بیگم صاحبہ گویا چونک پڑیں اور بولیں "ٹھہرو تو"

دونوں ٹھہر گئے اور بیگم صاحبہ نے اپنی آنکھیں پونچھ کر ذرا گلا صاف کر کے کہا۔ "آخر تمہارا مطلب کیا ہے کیا سچ مچ میری بیٹی کی ناک اور چوٹی کاٹ لو گے؟"

نواب صاحب بولے "لاحول ولا قوۃ......"

بلقیس شہزادی بولیں "پھر وہی بیٹی بیٹی کہے جا رہی ہیں۔ آپ سن لیجئے ہم نہیں

مانیں گے آپ کی بیٹی نہیں ہے اور نہ ہم اس کی ناک چوٹی کاٹیں گے۔ ہم تو بدلہ لیں گے جیسے کفرۃ کی شہزادی لنکران میں ذلیل ہوئی ہے اسی طرح ہم لنکران کی شہزادی کو مہینوں برسوں ذلیل کریں گے اور اس کی خبریں لنکران بھجوائیں گے اور فی الحال تو ہم اسے لونڈی بنائیں گے کام خدمت کیلئے باندیوں کی طرح رکھیں گے۔"

آخری الفاظ سُن کر بیگم صاحبہ کے منہ سے ایک دبی ہوئی چیخ نکلی نواب صاحب اور شہزادی بلقیس بیٹھ موڑ کر چلی ہی تھیں کہ بیگم صاحبہ نے جھپٹ کر بھائی کو پکڑ لیا خدا کی پناہ ایسا عبرتناک ڈرامہ میں نے کبھی لنکران میں بھی نہ دیکھا تھا۔ بیگم صاحبہ نے رو رو کر اور دہائی دیکر بھائی کی خوشامد کی قسمیں دلائیں خدا کے واسطے دیئے اور جب بات بڑھتی نظر آئی تو شہزادی بلقیس بیگم صاحبہ سے جھگڑنے لگیں اک مختصر سی کشمکش ہوئی اور نواب صاحب اور شہزادی بلقیس اس ناگوار بحث اور بحث اور کشمکش سے پیچھا چھڑا کر اٹل فیصلہ دیکر بدمزگی سے چل دیئے۔

بدقسمت ملکہ نے آہ سرد کھینچی اپنے ماتھے پر ہاتھ مارا اور بے قابو ہو کر بیٹھے بیٹھے غش کھا کر گریں۔

رات کا سناٹا تھا کفرۃ کے عالی شان محل کے جگمگاتے ہوئے کمرے میں کفرۃ کی بڑی شہزادی بھائی اور بہن سے چوٹ کھا کر زخمی اور نیم مردہ حالت میں پڑی تھیں ریشم کے قالین اور ریشمی لباس اور کفرۃ کی شاہی عمارتیں اور کفرۃ کے شاہی خاندان کے خوش قسمتی اس بدقسمت شہزادی کے لئے سب بیکار تھیں میں پاس کھڑی تھی اور سچ کہتی ہوں کہ لنکران کی بدقسمت ملکہ پر میں خود آٹھ آٹھ آنسو رو رہی تھی۔

کفرہ کا ہولناک اِنتقام

بیگم صاحبہ کو جب ہوش آیا تو میں نے ان کو ان کی خواب گاہ میں پہنچایا۔ کوئی پندرہ منٹ ان میں غشی کی حالت طاری رہی تھی۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ برسوں کی بیمار ہیں۔ مری ہوئی آواز میں انھوں نے مجھ سے کہا:۔

"بدبخت یہاں کیا کر رہی ہے خدا تجھے اجر دے گا جلدی جا اور جس راہ میں چوٹی کٹائی ہے ناک بھی کٹا دے۔ جلدی جا!"

میں خود گویا چونک سی پڑی۔ اب تک صاحبزادی صاحبہ کی طرف سے میں بےخبر سی تھی۔ اندر سے جو راستہ ان کے محل میں جانے کا تھا وہاں تو مسلح پہرہ تھا لہذا باہر ہی سے جانا پڑا۔ شاہی محلوں میں دن رات ایک ہی سی چہل پہل رہتی ہے۔ باہر نکل کر صاحبزادی صاحبہ کی ڈیوڑھی پر جو پہنچی تو سپاہیوں نے مجھے روک دیا۔ دروازہ بالکل بند تھا اور یہاں تو ایسی سختی تھی کہ [illegible] بھی کسی کو باہر آنے کی اجازت نہ تھی گویا ہر طرح کی آمد و رفت کا سلسلہ تو بجائے خود ہی [illegible] بات تک کا سلسلہ قطعی بند تھا مجھ سے سپاہیوں نے کہا کہ بغیر شاہی اجازت کے اندر جانے کی ممانعت ہے اب میں اس فکر میں ہوئی کہ اجازت شاہی اسوقت کہاں سے لاؤں۔ کیونکہ میں وہاں تک پہنچوں نواب صاحب کا دستور تھا کہ رات کا دربار قریب تین بجے ختم ہو

خواب گاہ میں جاتے تھے اور میں یہی سمجھی اسوقت ملنا ناممکن ہوگا۔ میں اسی شش و پنج میں تھی کہ نواب صاحب کی بھیجی ہوئی ایک خواص مجھے ڈھونڈتی ہوئی آئی۔ قصہ مختصر نواب صاحب کی خدمت میں پہنچی نواب صاحب اپنی خواب گاہ میں تھے ایک وسیع ہال تھا جس میں سبز رنگ کی عجیب طرح کی روشنی پھیلی ہوئی تھی ریشم کے تہ بہ تہ پردوں اور فانوسوں میں سے بجلی کی روشنی چھن چھن کر اس طرح کمرہ میں پھیلی ہوئی تھی کہ بس یہ معلوم ہوتا تھا کہ سبز رنگ کی نرم نرم چاندنی ہے جو چاروں طرف ایک سبز رنگ کے غبار کی طرح مسلط ہے۔ کمرے کا سارا فرنیچر و فرش، فروش ریشمی قالین، پردے غالیچے حتیٰ کہ آرائش کا اور استعمال کا ہر سامان سبزی مائل تھا۔ کمرہ کی دیواروں پر سبز رنگ کی مخملی پوشش تھی جسمیں بڑی بڑی سلوٹیں سی پڑی ہوئی تھیں جس سے کمرے کا انداز خیمہ کا سا ہو گیا تھا اور کمرے کی بلند چھت سے نیچے فرش تک ریشم کے سبز رنگ کی آب رواں کے پردوں کی بھول بھلیاں میں شاہی مسہریاں تھیں جن کی سنہری چوٹی کمرہ کی آدھی بلندی تک پہنچی تھی۔

نواب صاحب مسہری پر تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے تھے پیچوان کا دھواں آب رواں کے پردوں میں لچھے بناتا ہوا اور بل کھاتا ہوا چھت کی طرف چڑھ رہا تھا۔ پیچوان کی نلکی ان کے ہاتھ میں تھی اور پیچوان غالباً کمرہ کے باہر رکھا تھا۔ آب رواں کے پردے اس قدر باریک تھے کہ باوجود تین چار تہ کے نواب صاحب مسہری پر بیٹھے صاف دکھائی دے رہے تھے جیسے ہی میں پہنچی اور آداب بجا لائی تو مجھے دیکھ کر بولے ادہر آؤ۔ آب رواں کے پردوں کے پاس پہنچ کر میں گھٹنوں کے بل ادب سے جھک گئی اور اسی طرح نہایت ادب سے پردوں کو چیر کر مسہری کے قریب پہنچی شمامۃ العنبر اور فتنہ کی تیز خوشبو سے باوجود لنگران کی خادمہ ہونیکے میرا سر چکرا گیا سارے کمرے میں اسی کی گرمی

پھیلی ہوئی تھی۔ میں پہنچی اور دست بستہ اسی طرح گھٹنوں کے بل کھڑی رہی میری طرف دیکھ کر نواب صاحب کچھ مُسکرائے میں خاموش رہی۔ تو آہستہ سے بولے:۔

"جلالت مآب آقائے لنکران کی صاحبزادی صاحبہ پر مابدولت نے کرم فرمایا ہے یعنی یہ کہ مابدولت نے ان کو اپنی خاص باندیوں کے زمرہ میں شامل کر کے ان کو اس خدمت پر مامور کیا ہے کہ آج رات کو خوابگاہ شاہی میں مابدولت کے پیرا ہنے کی خدمت انجام دیں اور میری دانست میں لنکران کی شاہزادی اور اس کے عالی خانداں کیلئے یہ امر باعثِ فخر ہوگا یتم لنکران کی رازدار و نمک خوار ہو۔ بہتر ہے کہ مابدولت کا شکریہ ادا کرو اور جلد سے جلد ابھی جا کر اپنی آقا زادی کو مابدولت کے قدموں میں حاضر کر دو۔"

یہ خوفناک فیصلہ سن کر میرے تن بدن میں سناٹا آگیا۔ روح پرواز کرتی معلوم دی۔ سمجھ میں نہ آیا کیا کہوں کیا نہ کہوں مگر جس طرح ہوسکا میں نے کہا:۔

"رحم! اے میرے شہنشاہ اپنی عظمت اور جبروت کی طرف دیکھئے اور ایک کمزور اور معصوم چیونٹی کی طرف رحم کیجئے۔ ایک پاک دامن اور شوہر پرست اور عصمت مآب غریب شہزادی جو اپنے باپ کی سختیوں سے تنگ آکر آپ کے سائے میں پناہ ڈھونڈتی ہے اس کو اپنے لطف و کرم سے محروم نہ کیجئے۔ ایسی شوہر پرست اور ایسی نیک دل اور ایسی پارسا شہزادی کی مٹی خراب ہوگی تو۔ اس کا شوہر سر ٹپک ٹپک کر مر جائے گا اور وہ خود بھی مر جائیں گے خدا کیواسطے اس پر رحم کیجئے ایسی نیک دل اور عبادت گذار اور روزہ نماز کی پابند اور تہجد گذار اور باخدا شہزادیاں کم ہوتی ہیں۔ اسکی خوبصورت۔۔۔ پیشانی پر شب بیداری اور عبادت گذاری کا سیاہ مگر نورانی گٹا پڑ گیا ہے کچھ نہیں

تو اس کی دنیداری کا ہی خیال کیجئے، اور رحم کیجئے۔

میری اس لفاظی کا یہ نتیجہ نکلا کہ نواب صاحب نے ذرا دبنگ آواز سے مجھسے کہا گستاخ تیری یہ مجال کہ ہمیں نصیحت کرے! میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ دس منٹ کے اندر اندر اپنی آقا زادی کو جاکر میرے قدموں میں حاضر کرو ورنہ یاد رکھنا کہ زندہ دفن کرا دوں گا"۔

اتنا کہہ کر نواب صاحب نے مسہری کے تکیہ کے نیچے برقی بٹن دبا کر گھنٹی بجائی۔ "حاضر حاضر" کہتے ہوئے چار خوفناک خواجہ سرا خواب گاہ میں داخل ہوئے نواب نے مجھے لے جانے کا اشارہ کیا اور مجھے یہ موذی پکڑ کر لے چلے خواب گاہ سے ملا ہوا ایک دوسرا کمرہ تھا وہاں لے جاکر انھوں نے ایک دروازہ کھولا۔ بٹن دبا کر بجلی کی روشنی کے سامنے نیچے کی طرف سیڑھیاں نظر آئیں۔

سیڑھیاں اتر کر ایک نہایت ہی کشادہ صاف سرنگ کا راستہ تھا جس میں روشنی ہو رہی تھی۔ یہ راستہ اس محل میں نکلتا تھا جہاں صاحبزادی صاحبہ تھیں راستہ طے کرنے کے بعد سیڑھیاں چڑھنا پڑیں ایک دروازہ آیا جسے خواجہ سراؤں نے کھول کر مجھ سے کہا جاؤ اور حکم کی تعمیل کرو ہم یہیں کھڑے ہیں" یہ راستہ ایک خالی کمرے میں کھلا تھا۔ میں کمرے در کمرے ہو کر شہزادی صاحبہ کے کمرے کی طرف چلی۔ چشم زدن میں بدحواس اور گھبرائی ہوئی خواصوں نے مجھے گھیر لیا سب کی سب مقید تھیں اور دراصل کسی کو ذرہ بھر علم نہ تھا کہ باہر کیا ہو رہا ہے اور اصل معاملہ کیا ہے میں نے کسی کو کچھ جواب نہ دیا اور شہزادی صاحبہ کو پوچھا تو معلوم ہوا کہ نماز اور وظیفہ میں مشغول ہیں۔ میں خواصوں کو جھٹک کر سیدھی دالانی

ہوئی صاحبزادی صاحبہ کے کمرے میں پہنچی۔ جانماز پر بیٹھی وظیفہ پڑھ رہی تھیں اس طرح مجھے دیکھ کر ایک دم سے چونک پڑیں کچھ متعجب ہو کر لیکن پھر بڑے بھولے پن سے انھوں نے پوچھا۔

خیر تو ہے یہ کیا معاملہ ہے؟ خدانخواستہ سچ مچ ماموں صاحب ہم لوگوں سے ناراض ہو گئے۔ ہمیں کیوں قید کیا ہے؟ نواب دولہ صاحب کہاں ہیں اور والدہ صاحبہ کہاں ہیں؟ خدا کے لئے مجھے مفصل حال بتلاؤ۔

میں نے یہ عبرتناک الفاظ سنے یا میرے اللہ کیا اس سے بھی زیادہ خوفناک ٹریجڈی ممکن ہے۔ کس بھولے پن سے شہزادی صاحبہ اپنے قاتل کو عالم بے خبری میں ماموں کہہ رہی تھیں۔ بالکل اسی طرح جس طرح آخری وقت تک قربانی کا بکرا اپنے مالک کے ہاتھ کو چاٹتا ہے وہ ہاتھ جو بہت جلد ایک خونخوار چھری سے اس غریب کے گلے کو کاٹ کر رکھ دیتا ہے! میں کیا جواب دیتی میں نے گھبرا کر شہزادی صاحبہ کے قدموں میں سر رکھدیا اور رو کر میں نے کہا۔

"اے میری پیاری شہزادی تباہی و ذلت کا سامنا ہے۔ لنکران کے شاہی خاندان کی عظمت کا سورج غروب ہوتا ہے۔ خدا کے لئے موت کی تیاری کرو۔"

عبادت گذار شہزادی جس کے چہرہ پر معصومیت کا دریا لہریں مار رہا تھا اور عبادت کے نور سے چہرہ روشن تھا۔ میرے خوفناک الفاظ سن کر بدحواس ہو گئی جلدی جلدی میں نے ساری داستان سنائی اپنا سر کھول کر دکھایا کہ میں نے آپ کو بچانے کیلئے چوٹی کٹائی مگر افسوس آپ نے مجھے دشمن سمجھا اور اب جو کچھ ہونیوالا تھا اس سے آگاہ کیا مجھے آئے ہوئے دس منٹ نہیں بلکہ بیس منٹ سے بھی زیادہ گذر چکے تھے

اور میں جانتی تھی کہ کفترہ کا وحشی غصّہ میں بل کھا رہا ہوگا۔ شہزادی صاحبہ کو میں
خطرہ سے آگاہ کر رہی تھی کہ ایک خواص گھبرائی ہوئی آئی اور اس نے اطلاع
دی کہ خواجہ سراؤں کا دستہ محل میں گھس آیا اور یہ کہتے ہی خواجہ سراوں کی گستاخ اور
بدتمیز پیروں کی آہٹ اور تیزی سے دوڑتے میں بولنے کی منحوس آوازیں کمرے کے
چاروں طرف سے آئیں "وہ آگئے" پریشانی اور بے بسی کے عالم میں میری زبان سے نکلا۔
شہزادی صاحبہ نے اپنا معصوم اور خوبصورت چہرہ اٹھاکر ایک مظلومہ کی طرح
اِدہر اُدہر دیکھا اور .... بڑے استقلال کے ساتھ قرآن شریف کی آیت پڑھی
اور کہا مصیبت کے وقت خدا سے نماز اور عبادت کے ذریعہ امداد چاہو یہ
کہہ کر انھوں نے نماز شروع کر دی۔ لنکراں کا شاہی دبدبہ اور جلال میں نے اس
عبادت میں دیکھا گستاخ خواجہ سرا بڑبڑاتے ہوئے کمرے میں گھس آئے وہ نہ معلوم
کس بات کے متوقع تھے یہ کہکر شہزادی سجدہ میں ہے کھڑے رہے لیکن شہزادی
نے سجدے سے سر نہ اٹھانا تھا پھر نہ اٹھایا۔ خواجہ سرا کچھ جھجکے کہ اتنے میں ان
میں سے ایک دوڑا ہوا خبر کرنے نواب صاحب کے پاس گیا وہاں اُسے کیا حکم ملا اس
کا اندازہ اس سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ آتے ہی اس نے سب سے پہلے مجھے لاتیں
مار کر گھسیٹا اور دھکے دیتا کمرے کے باہر لے گیا۔ مڑ کر اتنا تو میں نے ضرور
دیکھا کہ شہزادی صاحبہ کو چار پانچ خواجہ سرا زبردستی گھسیٹ رہے تھے مجھے دو
تین خواجہ سرا دوڑاتے اور گھسیٹتے ہوئے اسی سرنگ کے راستہ سے لیکر خوابگاہ میں پہنچے۔
اور مجھے نواب صاحب کے سامنے لے جاکر ڈالدیا بجائے غصہ ہونیکے نواب صاحب مجھے دیکھکر
مسکرائے کہ اتنے میں چار پانچ خواجہ سرا شہزادی صاحبہ کو سچ مچ پھول کیطرح اٹھا کر لے آئے۔

اور ان کو بھی لا کر بیٹھایا شہزادی صاحبہ کا چہرہ ان کے کپڑوں میں چھپا ہوا تھا
دو خواجہ سراؤں نے جھٹکا دیکر شہزادی صاحبہ کو کھڑا کیا اور تیسرے نے ڈانٹ کر کہا:۔
"آج لنگران کی قسمت جاگ اٹھی ہے جہاں پناہ نے تجھے باندیوں میں داخل کر لیا
تیری تقدیر جاگ اٹھی چل خدمت کر" دو خواجہ سراؤں نے آب رواں کے پردے
اٹھائے اور دو خواجہ سراؤں نے شہزادی صاحبہ کو گھسیٹ کر مسہری کے بائیں
جانب والے اسٹول پر بدتمیزی سے جھٹک کر بٹھایا جب پیر دابنے والی لونڈیاں بیٹھکر
نواب صاحب کے پیر دباتی تھیں شہزادی صاحبہ نے اسیطرح منہ چھپائے وہاں سے بھاگنا
چاہا تو نواب صاحب نے لپک کر شہزادی صاحبہ کا ہاتھ پکڑ لیا ان کے منہ سے اور ساتھ ہی میرے
منہ سے ایک دل دوز چیخ نکلی میں سنبھلنے بھی نہ پائی تھی کہ خواجہ سراؤں نے مجھے ڈھکیل
کر خوابگاہ کے باہر کر دیا خوابگاہ کے دروازے بند ہو گئے۔ برقی گھنٹی کی آواز آئی۔ خواجہ سرا نے
لپک کر بجلی کا بٹن دبایا اندر کی سبز روشنی کو جو شیشیوں اور جھلملیوں سے چھن چھن کر باہر پہنچ
رہی تھی ایک لرزش سی ہوئی بتیاں ایک دم سے گل ہو گئیں لیکن فوراً ہی کمرے میں دوسری روشنی ہو
گئی جو سبز تو تھی لیکن پیشتر کی روشنی سے بہت ہلکی تھی یہ روشنی گویا اس بات کا اعلان تھا کہ
نواب صاحب خواب میں ہیں اور منٹ بھر بھی نہ گذرتا تھا کہ شاہی باڈی گارڈ کے مسلح سپاہیوں
اور افسروں نے خوابگاہ کے چاروں طرف سنگین پہرہ لگا دیا۔ بدتمیز خواجہ سراؤں نے دو چار لاتیں
میرے اور ماریں اور وہاں سے میرا راستہ بتایا۔

اناں دخیزاں میں ملکہ زمانی کے پاس پہنچی وہ بڑی بے چینی سے میری منتظر تھیں
میں نے پہنچ کر سر پیٹ لیا کہ "ہائے لنگران کی عزت کا بیڑا غرق ہو گیا"
قصہ مختصر جو کچھ بھی گذرا تھا میں نے کہہ سنایا بیگم صاحبہ کی حالت ویسے ہی نازک تھی
سنتے ہی ایک درد بھری چیخ ان کے منہ سے نکلی اور پھر بے ہوش ہو گئیں۔

کفرہ کا خوفناک انتقام

ملکہ زمانی کی یا میری رات کس طرح گذری اس کو جانے دیجئے اور پھر رات ہی بھی کتنی تھی۔ ملکہ زمانی کا قصہ چھوڑ کر میں اس کی قصہ لیتی ہوں۔ صبح نو بجے کے قریب نواب صاحب نے پھر مجھے طلب کیا۔ قصہ کو مختصر کر کے کہتی ہوں کہ میں پہنچی تو پرائیویٹ سکریٹری ایک خط لئے ہوئے بیٹھے تھے۔ میں پہنچی اور آداب بجالائی۔ نواب صاحب نے مجھ سے کہا۔

جو کچھ تم نے اپنی آنکھ سے دیکھا اور سنا ہے وہ جا کر اپنے مغرور آقا سے بیان کر دینا میں نے جان بوجھ کر اسی لئے تم کو یہ سب تماشا دکھایا ہے اور تمہاری جان بخشی ہے ورنہ کفرہ میں لنگران کے کتے کو بھی پھانسی دیدی جاتی۔ اب تم جاؤ اور یہ خط اپنے آقائے نامدار بد کردار۔ کو دے دینا اور کہہ دینا کہ غور سے اور ٹھنڈے دل سے پڑھئے تمھیں سفر خرچ اور یہاں کی خدمت کے پانچ سو روپیہ نقد اور لوازمات دستور کے موافق علاوہ کرایہ خرچ وغیرہ کے دے جاتے ہیں اور اب تم سیدھی یہاں سے اسٹیشن جاؤ تمھیں اب محل کے اندر نہیں جانے دیا جائے گا۔"

اتنا کہہ کر پرائیویٹ سکریٹری سے خط لے کر نواب صاحب نے اپنے دستخط کئے لفافہ بند کیا اور اس پر شاہی مہر لگا کر ایک مخمل کی تھیلی میں بند کر کے خریطہ کی طرح

اس پر ریشمی فیتہ لپیٹ کر اور سات مہریں لگا کر میرے سپرد کیا۔ روپیہ وغیرہ مجھے دے دیا گیا اور سیدھا مجھے اسٹیشن بھیجا۔ قصہ مختصر ایک سکنڈ کلاس میں دو سپاہیوں کی نگرانی میں وہاں سے میں روانہ کی گئی بمبئی پہنچ کر مجھے لنکران کے جہاز میں بٹھا کر کفترہ کے سپاہی رخصت ہو گئے۔

لنکران پہنچ کر میری حالت عجیب و غریب تھی۔ منہ چھپائے رات کیوقت محل میں پہنچی۔ کشتی سے میں نے بات تک نہ کی۔ ہاں البتہ معلوم کر لیا کہ میری چوٹی بذریعہ پارسل جہاں پناہ کے پاس پہنچ چکی ہے۔ سیدھی جہاں پناہ کی خدمت میں پہنچی اور پہنچتے ہی بجائے آداب یا مجرا عرض کرنے کے میں نے اپنا سر کھول کر اور منہ پیٹ کر دہائی کھینچی کہ دہائی ہے آقائے لنکران کی میں تباہ ہو گئی۔

یہ کہہ کر میں نے خریطہ سامنے ٹیک دیا اور رو کر میں نے کہا "اے میرے شہنشاہ لنکران کی عزت کا بیڑا کفترہ کے طوفان کی نذر ہو گیا زبان میں طاقت نہیں جو عرض کرے۔"

جہاں پناہ نے خریطہ کھولا۔ حتی الوسع میں اپنی زبان سے کچھ کہنا نہ چاہتی تھی لفافہ چاک کر کے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے جہاں پناہ نے خط نکالا چہرہ کا رنگ ایک دم سے متغیر ہو گیا۔ ایک لمحہ بھر کے لئے لنکرانی غیظ و غضب انتہائی جلال کے ساتھ پیشانی کی رگوں سے نمایاں ہوا لیکن خط پڑھ کر ختم کیا نہیں کہ واقعات کے علم نے کچل کر رکھ دیا۔ گردن ایک طرف کو جھک گئی خط ہاتھ سے چھوٹ پڑا۔ چہرہ پر مردنی سی چھا گئی۔ آقائے لنکران کی وہ ذلت ہوئی کہ وہ اس وقت خود اپنی ہی نظروں میں ذلیل تھا۔ اپنی رعیت سے ایک بھنگی سے ایک بہشتی سے قصہ

مختصر غریب سے غریب اور ذلیل سے ذلیل شخص سے بھی زیادہ ذلیل تھا۔ لنکران کا غرور پامال ہو گیا ڈھے گیا۔ لنکران کے شاہی خاندان کی عزت خاک میں مل گئی کیونکہ آپ یقین مانئے کہ خط کا مضمون یہ تھا:۔

" لنکران کی تقدیر جاگ اٹھی یعنی مابدولت نے لنکران کی بڑی شہزادی کو ..... از راہ غربا پروری اپنی کنیزوں میں شامل کر کے ایک ایسے احسان اور کرم کی مثال پیش کی ہے جس کی نظیر دنیا میں مشکل سے ملے گی۔ لنکران کے شاہی خاندان کے لئے یہ امر ہمیشہ باعث فخر رہے گا اور شاہان لنکران نسلاً بعد نسلاً اس بات پر فخر کریں گے کہ ہمارے خاندان کی شہزادی کو کفترہ کے شاہی خاندان کی اس طرح غلامی نصیب ہوئی مابدولت نے ہفتہ بھر کے لئے لنکران کی شہزادی کو بیر داب، اور دوسری خدمات پر آج سے مقرر فرمایا ہے۔ شہزادی موصوفہ اور ان کے والد بزرگوار اس امر سے مطلع ہوں کہ اگر شہزادی نے خدمات وفاداری سے انجام دیں تو مابدولت انعام واکرام سے سرفراز فرمائیں گے لیکن اگر خدمات مابدولت نے ناپسند فرمائیں تو شہزادی موصوفہ کا درجہ توڑ دیا جائیگا اور کسی نمک خوار کو بطور کنیز بخشدیا جائے گا۔ کنیز کے والدین مطلع ہوں"۔

دستخط و مہر شاہی

فرمانروائے کفترہ

ظاہر ہے کہ جہاں پناہ کا کیا حال ہوا ہوگا۔ شکست اور صدمہ کی وجہ سے پیشانی پر پسینہ آگیا۔ مری ہوئی آواز سے میری طرف دیکھ کر کہا: "کیا یہ ممکن ہے؟"

میں بھلا کیا جواب دیتی آنکھوں سے آنسو بہا رہی تھی اور یہی بہترین جواب تھا اس کے بعد میں نے شروع سے آخر تک کہہ سنایا۔

بڑی دیر تک آنکھیں بند کئے ہوئے ایک بت کی طرح بیٹھے رہے پھر ایک ٹھنڈی سانس لی اور کمرے میں ٹہلنا شروع کیا۔ یہ ٹہلنا کیا تھا بس یہ سمجھیے کہ سانپ تھا جس کا پھن کچلا گیا تھا اور وہ بل کھا رہا تھا۔

مگر بدقسمتی سے کفرتہ کے خوفناک انتقام کی یہ ابتدا تھی اور عبرتناک انتہا کا کسی کو علم نہ تھا۔

کفرتہ کے بزدل اور وحشی نواب کے خوفناک انتقام کے نتائج ضرورت سے زیادہ مہلک ثابت ہوئے۔ سب سے پہلے اختصار کے ساتھ بدقسمت شہزادی کے اوپر جو ظلم توڑے گئے ان کی تفصیل سُنئے۔ دُنیا قائم ہوئی ہے۔ ہزاروں لاکھوں ظلم کئے گئے ہیں لیکن آج کل کے نام نہاد زرین عہد میں جو ظلم ایک روشن خیال اور تعلیم یافتہ یا اختیار ظالم یعنی فرمانروائے کفرتہ نے ایک معصوم شہزادی پر روا رکھے اس کی نظیر آجکل کے زمانہ میں ملنا ممکن نہیں ذرا غور فرمائیے۔ کہ ایک بےگناہ شہزادی سے اس کا شوہر چھڑا دیا جاتا ہے بچے چھین کر محل کے شاہی یتیم خانہ میں دے دئے جاتے ہیں اور خود شہزادی کی عزت و آبرو خاک میں ملا دی جاتی ہے لیکن حیف صد حیف کہ یہ تمام ظلم محض انتہائے مظالم کی تمہید ثابت ہوتے ہیں۔ یعنی خوفناک انتہا کی ابتدا۔

انتہائے انتقام

معصوم شہزادی پر جو مظالم توڑے گئے ان کی انتہا بھی سُن لیجئے۔

دو تین ہفتے کفترہ کے نواب نے ان کو اپنی کنیز کے طور پر رکھا۔ ان کے دونوں بچے شاہی محل کے یتیم خانے میں دیدئے گئے تھے۔ جہاں وہ شاہی خاندان کے یتیموں کے ساتھ رکھے گئے۔ لیکن کفترہ کے وحشی نواب نے بہت جلد شہزادی کو اپنے ایک اے' ڈی' سی کو بطور لونڈی کے بخش دیا اور اس اے' ڈی۔ سی سے جہاں پناہ کے نام ایک خط اس مضمون کا لکھوایا کہ آجکل آپ کی صاحبزادی میری خدمت میں بطور ایک لونڈی کے رہتی ہیں۔ اسی طرح غریب شہزادی کو ایک اے' ڈی' سی کے پاس سے دوسرے کے پاس اور پھر تیسرے اور چوتھے قصہ مختصر باری باری سے تمام اے' ڈی سی اور دیگر منہ چڑھے درباریوں کے پاس شہزادی کو باندی بنا کر رکھا گیا اور باری باری سب نے جہاں پناہ کو خط لکھے۔ جہاں پناہ کی حالت کا کوئی صحیح اندازہ نہیں لگا سکتا کہ یہ خبریں ان کے لئے کس قدر باعث تکلیف تھیں لیکن دنیا دنیا ہے اور کوئی غریب آدمی ہوتا تو اپنی ناشاد زندگی کا خاتمہ کر چکا ہوتا۔ لیکن بادشاہوں کو خداوندتعالی اجہاں دولت اور امارت دیتا ہے وہاں پتھر کا دل بھی دیتا ہے شیر کا کلیجہ بھی دیتا ہی۔ کیسی بڑی مصیبت تھی لیکن مصیبت کے زمانے

میں جہاں راتوں کو بیٹھ کر اپنی بے عزتی اور بیٹی کی بدبختی پر آنسو بہاتے تھے اور سر دھنتے تھے وہاں یہ بھی تھا کہ ناچ ورنگ کے جلسے بھی ہوتے تھے۔

یہ سب کچھ تھا لیکن بدقسمت شہزادی کی تقدیر میں ہر طرح کی ذلت اور مصیبت لکھی تھی۔ جب ہر طرح شہزادی کو روحانی اور جسمانی تکلیفیں پہنچانے کے بعد بھی ظالموں کا دل ٹھنڈا نہ ہوا تو شہزادی بلقیس نے شہزادی صاحبہ کو اپنی ایک کلکتہ کی رہنے والی سہیلی کے باورچی کو دے دیا شہزادی کی یہ سہیلی کلکتہ کے کسی لکھ پتی سیٹھ کی لڑکی تھی اور اس باورچی سے بھی جہاں پناہ کو ویسا ہی خط لکھوایا گیا۔ جیسا کہ اے۔ ڈی۔ سی سے لکھوایا گیا تھا۔ شہزادی بلقیس مع اپنی سہیلی اور ان کے باورچی اور شہزادی صاحبہ کے کلکتہ چلی گئیں اور کلکتہ سے باورچی نے خط لکھا تھا۔ جب یہ خط آیا ہے تو جہاں پناہ نے سر پیٹ لیا اور چیخ کر کہنے لگے "ہے کوئی نمک خوار جو اس نامراد اور ناشاد بیٹی کا خاتمہ کر دے"!

دراصل اب تک شہزادی صاحبہ کفترہ میں تھیں۔ جہاں پناہ کا بس نہ چلتا تھا لیکن اب جو جہاں پناہ کو معلوم ہوا کہ شہزادی صاحبہ کلکتہ میں آگئیں تو انہوں نے تہیہ کر لیا کہ جس طرح بھی ممکن ہو شہزادی صاحبہ کی زندگی کا خاتمہ کر دیا جائے اور اس خدمت پر بدقسمتی سے میں مقرر کی گئی اور میری امداد کے لئے دو راز دار پہلے اور دور از دار یعنی امتیازی خدمت گار مقرر کئے گئے۔

قبل اس کے کہ میں اس قصہ کو آگے بڑھاؤں ملکہ زمانی بیگم اور صاحبزادی صاحبہ کے بدقسمت شوہر نواب دولہ صاحب کا بھی حال سن لیجئے۔

نواب دولہ صاحب جہاں پناہ کی مرضی اور حکم کے خلاف نیلگری سے مع

صاحبزادی صاحبہ کے کفترہ چلے گئے تھے اور اس طرح کھلم کھلا بغاوت کرکے ملکہ زمانی بیگم کے شریک ہو گئے تھے۔ اس کا نتیجہ لنکران میں یہ نکلا کہ نواب دولہ صاحب کے گھر والوں پر بڑی سختیاں کی گئیں۔ نواب دولہ صاحب کے چچا آبنوس خاں صاحب کی اس میں کچھ سازش نہیں تھی لیکن جہاں پناہ کا عتاب ان پر عجیب و غریب طرح نازل ہوا وہ یہ کہ شہر کی مہترانیاں بموجب حکم شاہی آبنوس خاں کے گھر بھیجدی گئیں تاکہ وہاں جا کر ڈھول بجا کر یہ گیت گائیں۔

"جہاں پناہ کا بول بالا اور آبنوس کا منہ کالا"

شام کو مہترانیاں وہاں پہنچی تھیں اور رات کو خبر لینے بھیس بدل کر میں بھیجی گئی میں وہاں پہنچی تو میں نے وفاداری کا عجیب نظارہ دیکھا آبنوس خاں کے دوست اور رشتے دار اور عزیز و اقارب اور ملنے جلنے والے جمع تھے اور پان اور عطر اور حقہ کا دور چل رہا تھا۔ روشنی سے دن ہو رہا تھا بھنگیں گا رہی تھیں سرکار کا بول بالا اور آبنوس کا منہ کالا۔ اور آبنوس خاں اور ان کے دوست احباب وغیرہ گا نا سن سن کر مہترانیوں کو انعام و اکرام دے رہے تھے اور چاروں طرف سے یہی آواز آرہی تھی کہ "سرکار کا بول بالا"۔

رات بھر اسی طرح بھنگیوں کا ناچ ہوتا رہا اور آبنوس خاں نے وفاداری کا ثبوت دیکر اپنی جان بچائی۔ میں نے جب آکر جہاں پناہ کو کیفیت سنائی تو بہت خوش ہوئے یہ ہیں وہ ترکیبیں کہ جن کے ذریعہ سے والیان ملک کو خوش کرکے اپنی جان بچائی جاتی ہے ورنہ آبنوس خاں کی عزت کا خاتمہ تھا۔

اس واقعہ کے ساتھ ہی ساتھ حکم نکل چکا تھا کہ نواب دولہ باغی ہیں اور

ان کے حمایتی بھی باغی ہیں اور خود یا ان کے حمایتی اگر لنکران کی سرحد میں پائے گئے یا داخل ہوئے تو ان پر شاہی عتاب نازل ہو گا۔ گویا کفترہ پہنچتے ہی نواب دولہ صاحب کا داخلہ لنکران کی سرحد میں ممنوع قرار دیا جا چکا تھا اور لنکران سے قطع تعلق ہو چکا تھا اس کے بعد جب نواب دولہ کفترہ سے نکالے گئے تو ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں وہ سخت حیران و پریشان تھے نہ تو لنکران جا سکتے تھے اور نہ کفترہ میں داخل ہو سکتے تھے لنکران کا تو کچھ خیر نہیں لیکن کفترہ میں تو ان کے بیوی بچے تھے لہذا جب وہ کفترہ سے نکالے گئے تو بہت چکرائے انھیں غریب کو یہ نہیں معلوم تھا کہ ان پر یہ ظلم ہوں گے کچھ دن ادھر ادھر سرگرداں پھرا کئے۔ عبرتناک حالت تھی۔ گھر بار چھوڑا۔ بیوی بچے چھوٹے کہاں ایکدم کیلئے بچوں کی جدائی شاق تھی اور کہاں اس شہر میں جانا ممکن نہیں پھر ان کی سمجھ میں یہ بھی نہ آیا کہ مجھے نکالا کیوں گیا ہے۔ ان کے پاس دو چار لاکھ روپیہ تھا کسی دوست نے مشورہ دیا کہ تجارت کرنا چاہیئے۔ چنانچہ یہ سوچ کر کلکتہ پہنچے اور موٹر کا ایک کارخانہ کھولا لیکن دھیان بیوی بچوں کی طرف رہا اور فکر کی وجہ سے کوئی کام نہ ہوتا تھا۔ پھر کام کئے دن بھی نہ گذرنے پائے تھے کہ بیوی کا اصل حال معلوم ہوا خدا نہ کرے کسی دشمن پر بھی۔ نواب دولہ کی سی مصیبت آئے۔ صدمہ ہی ایسا تھا پاگل ہو کر اور سر ٹپک ٹپک کر مر گیا جنھوں نے دیکھا ہے وہ کہتے ہیں کہ سچ مچ اپنے گھر بار کی تباہی پہ دیوانوں اور پتھروں سے سر مار کر پھوڑ لیا تھا۔

نواب دولہ تو اس طرح پاگل ہو کر تین چار مہینے میں ختم ہو گئے اور ان کی مشکل خدا نے یوں آسان کی۔ اب کچھ ملکہ زمانی کا حال سنئے۔ انھیں صاحبزادی صاحبہ سے

سچ مچ بیٹی کی طرح محبت تھی سگے بھائی اور سگی بہن کے وحشیانہ برتاؤ نے ان کو بھی پاگل کر دیا۔ ان کی عمر ہی مصیبت میں کٹی تھی سختیاں جھیلتے جھیلتے قبل از وقت بڈھی ہو چکی تھیں اور لب گور آ گئی تھیں اس صدمہ نے قبر کے گڑھے میں ڈھکیل دیا اور ان کی بھی مشکل آسان ہو گئی۔

اب میں پھر صاحبزادی صاحبہ کا قصہ شروع کرتی ہوں۔ کلکتہ میں پہنچ کر جب تمام جسمانی و روحانی تکلیفیں پہنچ چکیں تب شہزادی بلقیس نے صاحبزادی صاحبہ کو پٹوا کر سچ مچ اس طرح نکلوا دیا کہ جس طرح کسی فقیرنی کو رئیسوں کے یہاں سے دھکے دیکر نکال دیا جاتا ہے۔ ذرا غور فرمایئے کہ لنگران کے شاہی محلوں کی ادق کلکتہ کی گلیوں میں ٹھوکریں کھاتی پھرتی۔

میں جب کلکتہ پہنچی ہوں تو شہزادی بلقیس کی سہیلی کے گھر کا پتہ تو آسانی سے مل گیا لیکن صاحبزادی صاحبہ کا پتہ لگانے میں رازداروں کو کافی دقت ہوئی۔ پھر سب کام خفیہ طور پر کئے جا رہے تھے کسی کو کانوں کان پتہ نہ چلا ادھر ہم نے شہزادی کا پتہ لگا لیا۔ ایک غریب گھر میں صاحب خانہ کی شرافت کی وجہ سے روٹی کا ٹکڑا میسر ہو جاتا تھا پورے ڈیڑھ سال کی گردش کے بعد میں نے شہزادی کو دیکھا۔ ہم لوگ جو قتل کرنے آئے تھے اپنی آقا زادی کی حالت دیکھکر چیخ اٹھے اور صاحبزادی صاحبہ مجھے دیکھکر بیہوش ہو گئیں۔

قصہ مختصر ہم لوگوں کے لئے شہزادی کی جان لینا ناممکن تھا۔ غضب ہے خدا کا شہزادی کو موت بھی نہیں آئی اور تعجب یہ ہے کہ جیسا کہ انھوں نے خود کہا کہ میں مرنا بھی نہیں چاہتی ہوں۔ کیوں؟ محض اپنے بچوں کی خاطر، اپنی اولاد کی محبت نے ان کو تمام ذلتیں برداشت کرنے کیلئے زندہ رکھا تھا اور وہ زندہ رہنا

چاہتی تھیں اور شاید ان کی ٹریجیڈی کا تاریک ترین پہلو یہی تھا۔ کچھ بھی ہو بجائے قتل کرنے کے ہم لوگوں نے یہ کیا کہ نواب دولہ مرحوم کے موٹر کے کارخانے کا روپیہ جو بنک میں جمع تھا اور جو روپیہ کارخانہ کی صورت میں تھا اور جو اب تک خاندان کی تباہی کی وجہ سے کس مپرسی کے عالم میں پڑا تھا۔ وہ سب نقد صورت میں لاکر صاحبزادی صاحبہ کے نام سے بنک میں جمع کرادیا گیا۔ ایسا کرنے میں آسانی اس وجہ سے ہوئی کہ نواب دولہ مرحوم نے بنک میں بذریعہ تحریر اپنے بعد صاحبزادی صاحبہ ہی کو روپیہ ادا کئے جانے کی ہدایت کی تھی۔ شہزادی صاحبہ کے ہاتھ میں روپیہ آیا تو انھوں نے ایک مکان کرایہ پر لیا اور ہم لوگ بجائے قتل کرنے کے جیتا جاگتا چھوڑ کر اور ان کو قعرِ گمنامی میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ڈوب جانے کی صلاح دے کر چلے آئے ہمارے چلے آنے کے بعد ہی انھوں نے کوشش کرکے کفرتہ سے کسی آدمی کی معرفت اپنے بچوں کو بھی بلالیا۔ کفرتہ کا جوش انتقام انتہائی خباثت کو پہنچکر ٹھنڈا ہوچکا تھا اور شہزادی صاحبہ کو ان کے بچے مل گئے"۔

میں کلکتہ سے واپس آئی اور جہاں پناہ سے ہم سب نے یہ بات بنادی کہ۔۔۔۔

صاحبزادی صاحبہ کا شاید انتقال ہوگیا اور کچھ پتہ نہیں چلا۔ جہاں پناہ اسوقت دلرس بانو بیگم کی بیماری کی طرف اس درجہ متوجہ تھے کہ پھر ان کو صاحبزادی صاحبہ کی طرف توجہ کرنے کا موقع ہی نہ ملا۔ دلرس بانو بیگم کا وقت آچکا تھا اور کوئی مہینہ بھر کی بیماری جھیل کر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے رخصت ہوگئیں۔ جہاں پناہ نے اس صدمہ کو بیحد محسوس کیا یوں تو اللہ رکھے اب بھی جوان ہی ہیں۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ دلرس بانو بیگم کی موت نے ان کے جوشِ جوانی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کمزور ضرور کردیا۔ ایک تو بیٹی کی تباہی اور

خاندانی ذلت کا صدمہ تھا اور دوسرے یہ صدمہ دونوں صدموں سے ایسے کچل گئے
تھے کہ عرصہ تک طبیعت کند اور بڑھاپے سما جوانی خوابیدہ رہی لیکن میں کہہ چکی ہوں کہ
بادشاہوں کا کلیجہ شیر کا سا ہوتا ہے زمانہ گذرتا گیا اور گذرتا چلا جا رہا ہے۔ غم ڈھلتے
گئے اور ڈھل چکے ہیں اور آج آپ دیکھ لیجئے کہ لنکران کا شاہی محل اسی طرح آباد ہے
ملکہ معظمہ بھی شاد ہیں۔ جہاں پناہ بھی خوش ہیں۔ اللہ کا دیا سب ہی کچھ ہے اور
سب خوش ہیں کسی کو معلوم بھی نہیں کہ ہمارے بادشاہ نے کیسے کیسے غم سہے ہیں اور
کیسے کیسے دکھ جھیلے ہیں۔

آپ کو چاہیئے کہ اس داستان کے واقعات پر غور کریں۔ زمانے کا رنگ
پہچانیں احتیاط اور ہوشیاری سے کام لیں زمانہ دھوکہ باز ہے تھوڑی دیر کیلئے
انسان کو وہ مستقبل سے اس درجہ بے خبر کر دیتا ہے کہ موجودہ حالات سے مطمئن ہو کر
وہ بے خبر ہو جاتا ہے اور اس کی آنکھوں کے آگے ایسا پردہ پڑ جاتا ہے جو صرف اس
وقت ہٹتا ہے جب پانی سر سے اونچا ہو جاتا ہے۔ آپ داماد ہیں اچھی طرح سمجھ
لیجئے کہ ولی عہد نہیں ہیں اور پھر ولی عہد بھی ہوتے تو کیا ولی عہد مرحوم کا قصہ نہیں
سنا۔ آپ پردیس جا رہے ہیں بسم اللہ جایئے مگر آئندہ کے لئے ہوشیار رہیئے
میں اپنا قصہ اس آخری نصیحت پر ختم کرتی ہوں۔

حصّہ سوم

پونہ

کچھ پونہ کی دلچسپیاں بھی ملاحظہ ہوں پونہ میں میری فوجی ٹریننگ ہو رہی تھی یعنی یہ کہ میں نسیج پیچ آدمی سے لنگران کا جرنل بنایا جا رہا تھا۔ آدمی سے جرنل کیسے بنتا ہے؟ یہ میں آپ کو بتاتا ہوں سنئے:۔

میں کرنل میلر کے یہاں بھیجا گیا تھا اور ان ہی کے بنگلہ پر رہتا تھا اور آدمی سے ایک جرنل اس طرح بنایا جا رہا تھا کہ کرنل صاحب نے تو سوچ لیا تھا کہ جتنی بھی زیادہ میری شکایتیں جہاں پناہ اور ولی عہد بہادر سے کی جائیں گی۔ اتنی ہی جلدی فوجی قابلیتیں مجھ میں سرایت کر جائیں گی اور اس طرف جہاں پناہ اور ولی عہد نے یہ سوچ لیا تھا کہ جتنا بھی زیادہ مجھے شہزادی صاحبہ سے الگ رکھا جائیگا اور الگ رہنے کی دھمکیاں دی جائیں گی اتنی ہی جلدی میں آدمی سے جرنل بن جاؤں گا اور مسز میلر یعنی کرنل صاحب کی بیوی جن کے میکے والے ولایت میں آلو بیچتے تھے وہ یہ سوچتی تھیں کہ دو سو روپیہ ماہوار کھانے پینے کا چارج کرنا بالکل کم ہے اور جب تک کہ اس میں مختلف قسم کی عجیب و غریب ترکیبوں سے کم سے کم سو روپیہ ماہوار کا اور اضافہ پابندی سے نہ کیا جائے گا۔ اس وقت تک میں آدمی سے جرنل نہیں ہو سکوں گا اور پھر بد قسمتی تو ملاحظہ ہو کہ مس میلر یعنی کرنل صاحب کی نوجوان اور خوب صورت....

صاحبزادی صاحبہ میری فوجی مدارج کی ترقیوں کے لئے نہ صرف یہ ضروری خیال فرماتی تھیں کہ مجھے ان پر عاشق ہونے کی سعی بلیغ کرنا چاہیئے۔ بلکہ ان کا خیال تھا اس لحاظ سے میں کافی ترقی کر رہا ہوں اور اس مغالطہ میں پڑ کر اگر ایک طرف انھوں نے میری فوجی قابلیتوں کی حالت زار پر توجہ فرما کر ان میں اضافہ فرمایا تھا تو دوسری طرف ایک اور مصیبت میں ڈال رکھا تھا۔ کیونکہ یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ صاحبزادی صاحبہ لنگران میں بیٹھے بیٹھے یہ خیال کرتی تھیں کہ مس ملر میرے مردانہ حسن سے اثر پذیر ہوگئیں اور میں تمام فوجی مدارج طے کر چکا اور ان کا کہنا تھا کہ "باز آئی میں ایسی جرنیلی سے مجھے کچھ نہیں چاہیئے تم ہو گئے جنرل اور اب کسی ترکیب سے لوٹ آؤ"۔

وجہ اس کی یہ تھی کہ میرے ملازموں میں سے جو لنگران سے آئے تھے ایک شخص شہزادی صاحبہ کا خاص آدمی تھا۔ کیونکہ شہزادی صاحبہ کی سب سے زیادہ منہ چڑھی خواص کا شوہر مجیدہ تھا اور پھر بدقسمتی سے شہزادی صاحبہ نے کسی اخبار میں فوجی کلب کا فوٹو دیکھ لیا تھا جس میں مس ملر بڑی بے تکلفی سے میرے پاس بیٹھی ہوئی تھیں، اور صورت حال یہ تھی ایک نہیں بلکہ درجنوں احکام اس بارے میں صادر فرما چکی تھیں کہ ٹریننگ۔ چھوڑ چھاڑ مجھے فوراً کسی نہ کسی بہانہ سے ہمیشہ کیلئے لنگران جانا چاہیئے لیکن دس روز کی بھی چھٹی ملنی ناممکن تھی۔ اب بتایئے کہ آپ ہوتے تو کیا کرتے۔

قصہ مختصر یونہ آیئے زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ فوجی ٹریننگ مندرجہ بالا مدارج طے کرنے لگی۔

رفتہ رفتہ صورت حال ناقابل برداشت ہوگئی یعنی ایک طرف تو شہزادی صاحبہ نے لکھدیا کہ اگر میری زندگی چاہتے ہو تو لوٹ آؤ ورنہ کم سے کم مس ملر کے

ساتھ نہ رہو اور اپنا رہنے سہنے کا انتظام الگ کرو۔ اب میں نے جو اس کا ذکر
کرنل صاحب سے کیا کہ میں علیحدہ رہنا چاہتا ہوں تو انھوں نے جہاں پناہ اور ولیعہد
بہادر کو لکھ دیا کہ میں نے اب کام چوری کی انتہا کر دی ہے اور نگرانی سے بچنا چاہتا
ہوں اور جہاں پناہ اور ولی عہد صاحب کو جب یہ خبر پہنچی تو انھوں نے بُری طرح
میری خبر لی اور کرنل صاحب کو لکھ دیا کہ ہرگز مجھے ایک سرے سے نگرانی
ہی نہ آنے دیں۔ چنانچہ ان دلچسپ مصیبتوں میں پھنسا ہوا میں آدمی سے جرنل
بنایا جا رہا تھا۔ اور مجھے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ اب کوئی عجیب و غریب
منزل مجھے طے کرنا پڑے گی کہ معاملات نے ایک اور ہی پلٹا کھایا۔

For.

H. S. Sodhi

Mondu House Gup-kar Road

Srinagar Kashmir.

[signature]
23.9.72.

بالکل

میری مصیبتوں میں اضافہ ہوتا جارہا تھا اور میں مصیبتوں سے جو کھا لڑائی لڑ رہا تھا کہ کرنل صاحب نے میرا فوجی امتحان لیا جس میں مَیں نہایت ہی قابلیت اور ناکامی کے ساتھ ناکام رہا اور فیل ہو گیا۔ چنانچہ کرنل صاحب نے میرے خلاف جہاں پناہ کی خدمت میں ایسی چٹپٹی رپورٹ ارسال فرمائی کہ بس نہ تھا کہ اس کی پاداش میں جہاں پناہ ان کو ایک ڈنڈا پارسل میں رکھ کر میری خبر لینے کو بھیجدیتے اور ولی عہد صاحب کا بس نہ تھا جو وہ میرے لئے صاحبزادی صاحبہ کا نام لینا جرم قرار دیتے نتیجہ یہ نکلا کہ بجائے جرنیلی کی طرف ترقی کرنے کے چھ مہینے کی فوجی قواعد کرنے کے بعد یہ ترقی ہوئی کہ میرا فوجی درجہ تین مہینے کے لئے توڑ دیا گیا اور ولی عہد صاحب نے میری شہزادی صاحبہ کی خط و کتابت اس طرح بند کرادی کہ لنگران کے ڈاک خانہ میں طرفین کے خطوط ضبط کر کے نذر آتش کر دئے جائیں۔ اس بندش نے مجھے حیران کر دیا۔ قمرالدین کے خطوط میرے پاس آتے ہی رہتے تھے زیادہ تر روپے پیسے کے بارے میں وہ لکھا کرتا تھا کبھی کبھا بھولے بھٹکے کوئی دوسری بات بھی لکھ دیتا تھا میں نے یہ سوچ کر اس کو ایک خط لکھا کہ شہزادی صاحبہ سے ایک فرضی پتہ پر خط و کتابت کا سلسلہ شروع کیا جائے چنانچہ قمرالدین کو میں نے مفصل حال لکھا اور تاکید کے ساتھ یہ بھی لکھدیا کہ معتبر ذرائع

سے ولی عہد صاحب کے محل کی خبریں جو میرے متعلق ہوں۔ کسی طرح حاصل کر کے مجھے بھیجتا رہا کرے۔ جب روز میں نے قمرالدین کو یہ خط لکھا ہے اسی روز کا ذکر ہے کہ ولی عہد بہادر کا ایک عتاب نامہ مجھے ملا جس میں حسب معمول جھڑکیوں اور فہمائشوں کے علاوہ وہی پرانا ناگوار جملہ لکھا تھا جس نے مجھے ایک دفعہ کافی پریشان کر دیا تھا انھوں نے لکھا تھا کہ میں چونکہ سخت نالائق ہوں لہذا ان کی بہن کے شوہر ہونے کا نہ تو اہل ہوں اور نہ اہل بننے کی کوشش کر رہا ہوں اور اگر میری یہی حالت رہی تو ابھی خط و کتابت بند کرائی گئی ہے اور آگے چل کر شہزادی صاحبہ کو مجھ سے "بالکل" چھڑا لیا جائیگا وغیرہ وغیرہ اس خط کو پڑھ کر آثار و قرائن دیکھتے ہوئے میں سخت الجھن میں پڑ گیا۔ مس ملر کی توجہات محبوبانہ اور مس ملر کے حسابات مشفقانہ اور کرنل ملر کی تعلیمات سپاہیانہ ان تمام چیزوں سے جب میں حیران و پریشان ہو کر بدحواس ہو چکا تھا تب قمرالدین کا خط آیا اور اس نے مجھے سچ مچ "صاحب دیوان" کر دیا اس نے شہر کی غپوں اور ولی عہد بہادر کے بنگلہ کا حال لکھا تھا۔ شہر میں تو یہ مشہور ہو رہا تھا کہ شہزادی صاحبہ کو مجھ سے "بالکل" چھڑا لیا جائے گا اور اور ولی عہد بہادر کے محل کی یہ خبر دی کہ ان کے ہاں وہ لڑکا مہمان ٹھہرا ہوا ہے جس کے ساتھ شہزادی صاحبہ کی نسبت اوّل اوّل قرار پائی تھی یہ وہ خبر تھی جسے سُن کر میں ایک دم سے فوجی ہو گیا۔ یعنی اسی روز نوکروں کو ٹھونک کر رکھدیا۔ کرنل صاحب سے الجھ پڑا اور اسی قسم کی حرکتیں کیں اور قواعد پر بھی نہ گیا اور مارے غصے کے ضابطے کی اجازت بھی حاصل نہیں کی قمرالدین کا خط بار بار پڑھا اس میں لکھا تھا کہ شہزادی صاحبہ مجھ سے بالکل چھڑا لی جائیں گی اور تو سب عبارت صاف تھی لیکن لفظ

"بالکل" کے معنی صاف نہ تھے اس سے پیشتر ولی عہد صاحب بھی اسی لفظ بالکل کو استعمال فرما چکے تھے لیکن اس کی کوئی تشریح یا تفسیر نہیں فرمائی تھی اور گو قمر الدین نے اپنے خط میں بھی کوئی تفسیر اس لفظ کی نہ تھی لیکن خط میں یہ خبر لکھی ہوئی تھی کہ وہ منحوس لفظ ان کے یہاں بسیرا ہوا ہے۔ لہذا بدقسمتی یا خوش قسمتی سے یہی خبر مجھے لفظ... "بالکل" کی مکمل مفصل تشریح و تفسیر معلوم دی چنانچہ میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ ایک خط اٹھا کر ولی عہد بہادر کی خدمت میں لکھ دیا کہ براہ کرم اس لفظ "بالکل" کی تشریح فرما دیں تاکہ میں بالکل مطمئن ہو کر بہت جلد بالکل ہی جرنل بن جاؤں اور یہ خط لکھ کر میں نے ڈال دیا۔

میرے اس "بالکل" والے خط کا ابھی جواب نہ آیا تھا لیکن آنے والا تھا کہ .... لنگران سے بذریعہ تار یہ خبر وحشت اثر آئی کہ جہاں پناہ پر اس مہلک مرض کا حملہ ہو گیا ہے جس سے وہ ایک دفعہ بال بال بچے تھے۔ اب اس کے بارے میں ڈاکٹر لوگ بہت پیشتر کہہ چکے تھے کہ اگر خدا نخواستہ کہیں دوبارہ حملہ ہو گیا تو جان کی خیر نہیں۔ اس تار نے مجھے اور بھی بدحواس کر دیا۔ میں نے کرنل صاحب سے جانے کی اجازت چاہی تو انھوں نے دلی ولی عہد بہادر سے مجھے بھیجنے کی اجازت چاہی تو انھوں نے بذریعہ تار مجھے اور کرنل صاحب دونوں کو سختی سے منع کر دیا کہ تمہارے آنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اسی ہفتہ میں ولی عہد صاحب کا میرے "بالکل" والے خط کے جواب میں ایک ایسا خط آیا کہ اس میں وہ آپے سے باہر ہو گئے اور میں اس خط کے جواب میں خود لنگران جانے کی معاملہ پر غور ہی کر رہا تھا کہ لنگران سے تار آیا کہ جہاں پناہ عدم کو سدھارے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

یہ خبر وحشت اثر سن کر گویا سر سے پانی گزر گیا۔ میں نے تعزیت کا تار بعید صاحب کو جو کہ اب نواب صاحب تھے ان کی خدمت میں بھیجا اور جانے کی تیاری ہی کر رہا تھا کہ تار آیا تم مت آؤ۔ میں نے تار دیا کہ میرا آنا ضروری ہے وہاں سے تار آیا کہ خبردار جو تم آئے۔ یہ تار جو آیا تو میں قطعی سمجھ گیا کہ اب یہ نواب ہو گئے اور میرے ہاتھ جورو گئی۔ میں نے حماقت کی کہ جو کرنل صاحب سے کہدیا کہ میں ضرور جاؤنگا جواب میں انھوں نے مجھے فوجی وارنٹ کے ذریعہ گرفتار کرا دینے کی دھمکی دی مارے غصہ کے میرا بُرا حال ہو گیا اور بجائے انگریزی کی ٹانگ توڑنے کے میں نے اردو میں کرنل صاحب سے دہاڑ کر کہا :-

"ارے او موذی کرنل فوجی تیلے ہمارے خسر صاحب ڈھلک گئے اور جورو ہاتھ سے جاتی ہے اور تجھے کرنیلی اور جرنیلی سوجھا ہے۔ دیکھیں تو سہی ہمیں کون روکتا ہے"۔

کرنل صاحب سوائے اس کے کچھ نہ سمجھے کہ میں پاگل ہو گیا ہوں۔ کورٹ مارشلوں اور کوارٹر گاردوں وغیرہ کی دھمکیاں دینے لگے اور بیش بہندیاں کرنے لگے یہ ہڑبونگ سن کر مس ملر دوڑی آئیں اور مجھے الگ لے گئیں۔ سمجھایا بجھایا کہ بھاگ کر میرے لئے جانا ناممکن ہے۔ کیونکہ کرنل صاحب مجھے بذریعہ وارنٹ کے بمبئی سے پکڑوا کر بلوالیں گے، میری سمجھ میں بھی آگئی اور میں نے کرنل صاحب سے معافی مانگ لی اور اسباب وغیرہ کھلوا کر جانے کا ارادہ بالکل ترک کر دیا یہ اور بات ہے کہ دوسرے ہی روز ٹہلنے کے بہانے جو بنگلے سے نکلا ہوں تو سیدھا کراچی جا کر دم لیا بمبئی کا سیدھا راستہ وارنٹ کے ڈر کے مارے چھوڑا۔ کراچی سے لنگر ان کی راہ لی۔

لنگران پہنچ کر جتنی بھی خاموشی اور رازداری ممکن تھی وہ میں نے برتی اور سیدھا چپکے سے اپنے محل میں پہنچا۔ معلوم ہوا کہ شہزادی صاحبہ مع اپنے اسٹاف کے غائب ہیں اور شاہی محل میں باپ کے غم میں سچ مچ ہلاک ہوئی جا رہی ہیں میں نے ایک خواص کو بھیجا کہ جا کر چپکے سے ان کو میرے آنے کی اطلاع کر دے۔ چنانچہ اس نے اطلاع کر دی اور نتیجہ یہ کہ تمام اپنی ہلاکت پسندیاں چھوڑ چھاڑ کر شہزادی صاحبہ جو محل سے اپنے سارے اسٹاف کو چھوڑ کر ہوا ہوئی ہیں تو میرے ہاتھوں میں آن کر دم لیا۔

شہزادی صاحبہ کے آنے کی خبر جو ان کے بھائی صاحب کو لگی تو میرے آنے کی بھی خبر ہو گئی۔ نتیجہ یہ کہ حضور والا نے فوراً مجھے ٹیلیفون پر طلب فرمایا۔ میں ٹیلیفون پر گیا اور ضروری تعزیت کے بعد مبارک بادی پیش کی جس کے جواب میں پورے لنگرانی وقار کے ساتھ گرج کر انھوں نے مجھ سے کہا۔

"تم آ گئے"

"جی ہاں"۔

"باوجودیکہ میں نے منع کر دیا تھا"۔

"میں اس مارے چلا آیا کہ نہ آتا تو ہمیشہ کے لئے میرا منہ کالا ہوتا اور دنیا بھی کہتی کہ خود غرض تھا ایسے موقع پر بھی نہ آیا"۔

یہ سن کر خاموش ہو گئے لیکن مجھے طلب کیا تو میں نے عذر کیا کہ مجھے بڑے زور سے بخار چڑھا ہے اور میں نے صبح تک کی معافی چاہی۔

دوسرے روز صبح کو ماتمی لباس پہن کر میں خدمت عالی میں پہنچا۔ کچھ عجیب شان تھی۔ ایک چار دن ہی میں باوجود ماتمی سادگی کے ان کی نورانی جلال اور شاہی دید بہ موجود تھا۔ ضروری مراسم کے بعد میں بیٹھ گیا۔ قریب ہی ان کے وہ حضرات بھی تشریف فرما تھے جن سے شہزادی صاحبہ کی نسبت ہوئی تھی۔ ایک سوکھا سوکھا چھوکرا تھا کہ اگر گھونسہ مار دوں تو فوراً خلد آشیاں ہو جائے۔ کوئی دو منٹ کی خاموشی کے بعد میری طرف توجہ شاہانہ مبذول ہوئی مگر وہ اس طرح:۔

"تم پونہ کب واپس جاؤ گے"۔

میں نے مکاری سے عرض کی "ابھی صدمہ کی وجہ سے میرے ہوش ٹھکانے نہیں ہیں۔ غم کا پہاڑ میرے اوپر ٹوٹ پڑا ہے۔ میرے ہوش زائل ہو گئے ہیں اور اگر میرے غم کا یہی حال رہا تو مجھ سے کبھی بھی نہ ہو سکے گا"۔

نواب صاحب نے غور سے میری طرف دیکھا۔ شاید جان گئے کہ مکاری کر رہا ہوں لیکن بھلا کہہ کیا سکتے تھے۔ لہٰذا چپ رہ گئے اور کچھ نہ بولے حتیٰ کہ میں نے اجازت چاہی۔ جب میں چلنے لگا تو نرمی سے مجھے جلد واپس جانے کی تاکید کر کے خاموش ہو گئے۔ میں بھی کچھ نہ بولا اور چلا آیا۔

واپس آ کر شہزادی صاحبہ کو سنایا اور شہزادی صاحبہ نے اپنی جان اور محبت کی قسم دے کر مجھ سے پختہ وعدہ لیا کہ خواہ کچھ بھی ہو اب میں ہرگز ہرگز پونہ نہ جاؤں گا"

صاحبزادی صاحبہ کی واپسی

اپنے قصہ کو چھوڑ کر ایک دو لفظ اپنی بڑی سالی صاحبہ کے بارے میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اتنی تباہی و بربادی کے بعد ناظرین کو معلوم ہی ہے کہ وہ مستقل طور پر کلکتہ میں رہتی تھیں کسی کو ان کا پتہ ہی نہ تھا کہ زندہ ہیں یا مر گئیں لیکن باپ کی موت اور بھائی کی گدی نشینی کی خبر اخبارات کے ذریعہ ان تک پہنچی تو ان سے نہ رہا گیا اور انھوں نے ایک مبارکبادی کا تار بھائی کو بھیجدیا بھائی کی محبت نے ایکدم سے جوش مارا اور زرن خاں کے یہ کام سپرد کیا گیا کہ جا کر ان کو مع ان کے بچوں کے لے آئے یہ کہنا میں بھول گیا کہ نئے انتظام کے تحت میں زرن خاں ہمارے یہاں سے بلائی گئی۔

صاحبزادی صاحبہ کسی طرح بھی آنے کو تیار نہ تھیں۔ انھوں نے بہت انکار کیا لیکن بھائی کی محبت کے آگے بہن کی کچھ نہ چلی اور جب بھائی نے دھمکی دی کہ میں خود لینے آتا ہوں تو مجبوراً بہن کو آنا ہی پڑا۔

مصیبت زدہ اور دکھیاری بہن کی آمد اور استقبال کا سین بہت درد ناک تھا بہن کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ بھائی کا سامنا کرے بہر حال اپنے باپ کے محل میں داخل ہوتے ہی مصیبت کی ماری شہزادی غم اور خوشی کے متضاد جذبات سے بے قابو ہو کر بے ہوش ہو کر گر پڑیں۔

بھائی نے بہن اور بھانجوں پر محبت اور عنایت کی ایسی بارش کی بہن سب غموں کو بھول بھال کر بھائی کی مہربانیوں پر پھولی نہ سمائی۔ تعجب ہے کہ کفترہ میں انھوں نے بھائی کے راج میں بہن کی تباہی دیکھ لی تھی مگر پھر بھی اپنے بھائی کے راج میں سکھ ڈھونڈنے کو چلی آئیں۔ انھوں نے یہ نہ سوچا کہ والی ملک بھائی سے ایک مزدور بھائی بدرجہا بہتر ہوتا ہے۔ چنانچہ ان صاحبزادی صاحبہ کی آمد نے بالکل ہی اک نیا قصّہ چھیڑ دیا۔

میں دوپہر کا کھانا کھا کر بیٹھا ہی تھا کہ شہزادی صاحبہ کی موٹر آن کر رکی اور شہزادی ہانپتی کانپتی بدحواسی کے عالم میں میرے پاس آئیں اور گھبرا کر بولیں کہ "غضب ہو گیا!"

میں نے پریشان ہو کر پوچھا تو انھوں نے مفصل کیفیت سنائی وہ یہ کہ نواب صاحب نے بڑی بہن کی جہاں اتنی خاطر و مدارات کی تھی وہاں یہ حماقت بھی کی کہ ان کو مشورہ دیا کہ تم دوسرا نکاح کر لو۔

بہن کو یہ بات بہت ناگوار گذری اور انکار کر دیا اس انکار پر نواب صاحب نے اصرار کیا اور اصرار اس حد تک پہنچا کہ بہن بھائی کے اوپر جوتی لیکر اٹھی اور بھائی کو ہزاروں صلواتیں سنا ڈالیں۔ نتیجہ اس کا یہ نکلا کہ تمام مہربانیاں ختم ہو گئیں اور دن کے دن انھیں نکال دیا گیا۔ چنانچہ وہ بمبئی پہنچیں جہاں وہ مع اپنے بچوں کے سب سے الگ تھلگ اب بھی رہتی ہیں۔

اس سے دوسرے دن کا ذکر ہے کہ میری طلبی ہوئی میں پہنچا تو مجھ سے واپس جانے کے بارے میں پوچھا کہ پونہ کب جاؤ گے۔ میں نے صاف صاف عرض کر دیا کہ اب میرا ارادہ پونہ جانے کا قطعی نہیں ہے۔ کیونکہ ایک سرے سے فوج ہی سے الگ رہنا چاہتا ہوں یہ سنکر ذرا میرے اوپر قدرے خفا ہوئے لیکن خاموش۔ پھر مجھے نرمی سے سمجھانے لگے میں خاموش گردن جھکائے

مختار رہا اور کچھ نہ بولا جب اچھی طرح سمجھا چکے تو کہا کہ کل ضرور بالضرور پونہ چلے جاؤ میں نے اس کا بھی کوئی جواب نہ دیا۔ واپس آ کر جو کچھ باتیں پیش آئی تھیں شہزادی صاحبہ سے بیان کیں۔

اسی دن کا ذکر ہے کہ قمرالدین مجھ سے ملنے آیا اور اس نے شہر کی تازہ ترین غپ سنائی شہر میں یہ مشہور ہو رہا تھا کہ نواب صاحب نے یہ تجویز کی تھی کہ شہزادی صاحبہ کو مجھ سے چھڑا کر اس لڑکے کے ساتھ نکاح کر دیا جائے جس سے وہ پہلے منسوب ہوئی تھیں اور میرا نکاح بڑی صاحبزادی صاحبہ سے کر دیا جائے اور یہ کہ ان تجویزوں پر کبھی کا عمل درآمد ہو چکا ہوتا اگر کہیں بڑی صاحبزادی صاحبہ نے یہ تجویز منظور کر لی ہوتی اور وہ بھائی سے لڑ کر بمبئی نہ چل دی ہوتیں۔

میں نے شہزادی صاحبہ سے یہ باتیں کہیں تو ان کو بھی سولہ آنے یقین ہو گیا کہ ضرور یہی تجویز ہو گی۔ بلکہ وہ تو اس درجہ خائف ہوئیں کہ یہ تجویز کرنے لگیں کہ ہم دونوں کو بمبئی بھاگ جانا چاہیئے اور اگر کہیں ایسا ممکن ہوتا یعنی ہمارے اور بمبئی کے بیچ میں سمندر حائل نہ ہوتا تو ہم دونوں اسی روز بھاگ گئے ہوتے۔

دوسرا دن آیا اور گذر بھی گیا مگر میں "پونہ" نہ گیا۔ تیسرے روز کا ذکر ہے کہ صبح ناشتہ کرنے کے بعد میں شہزادی صاحبہ سے باتیں کر رہا تھا کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ شہزادی صاحبہ نے ٹیلیفون کا آلہ اُٹھا کر کان سے لگایا۔ میں بھی قریب پہنچا۔ ٹیلیفون پر خود اعلیٰ حضرت بول رہے تھے اور مجھے طلب کرتے تھے میں نے آلہ شہزادی صاحبہ سے لے کر کان میں لگایا اور کہا "میں یہ حاضر ہوں۔"

اعلیٰحضرت نے نہایت ہی سخت لہجہ میں کہا "تم ابھی تک پونہ نہیں گئے؟"

میں نے دبی زبان میں جواب دیا۔ "جی نہیں۔"

گرج کر نواب صاحب نے پوچھا "کیوں نہیں گئے؟ میں نے حکم دیا جب بھی نہیں گئے!"
میں نے کہا "میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ میں نہیں جانا چاہتا۔"
ڈانٹ کر انھوں نے کہا "بائیں! نہیں جانا چاہتے۔"
میں نے کہا "جی!"
آگ بگولہ ہو کر کانپتی ہوئی آواز میں اعلیٰحضرت نے کہا۔ تیری ہستی ہے جو نہ جائے گستاخ جانا پڑے گا۔ نازو کو ابھی ابھی فوراً یہاں بھیجو اور خیریت اسی میں ہے کہ ابھی ابھی تم پونہ روانہ ہو۔ اور اگر اس کے خلاف کیا تو یاد رکھو کہ سخت سزا دوں گا۔"
میں نے اس جھگڑے کو ختم کرنے کی نیت سے صاف صاف کہدیا کہ میں پونہ نہیں جانا چاہتا۔ میرا یہ کہنا تھا کہ گویا تودۂ بارود میں آگ لگ گئی اور وہ اسی طرح بدزبانی پر اتر آئے کہ خود شہزادی صاحبہ کو غصّہ آگیا۔ انھوں نے ٹیلیفون کا آلہ میرے ہاتھ سے چھین کر غصّہ میں آکر بھائی سے کہہ دیا کہ میں تمہارے یہاں نہیں آتی مجھے بھی غصّہ آرہا تھا اور میں نے جلدی سے شہزادی صاحبہ سے آلہ چھین کر زرا کڑک کر کہا مہربانی کر کے مجھ سے بدزبانی مت کیجئے اور گالیاں مت دیجئے ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا!"
میرا یہ کہنا تھا کہ نواب صاحب نے کہا "جانتے ہو میں کون ہوں؟"
اب میں بھی جل گیا اور میں نے کہا "ہاں جانتا ہوں۔۔۔۔ میرے سالے ہو!"
اس کا جواب مجھے کیا ملا میں نہیں کہہ سکتا۔ بس یہ معلوم ہوا کہ نواب صاحب مارے غصّہ کے بل کھا کر زور سے دہاڑے۔ میں نے گھبرا کر ٹیلیفون کا آلہ رکھدیا۔ شہزادی صاحبہ نے کہا بکنے دو میں نے بھی دل میں سوچا کہ نئے نئے خواب میں اچھلنے دو غصّہ میں یہ سوچکر میں باہر والے بڑے کمرے میں جا کر آرام کرسی پر لیٹ گیا ایک سگریٹ سلگا کر لاپرواہی سے دھواں چھوڑنے میں مصروف ہو گیا۔

وارنٹ گرفتاری

اب واقعہ ملاحظہ فرمائیے۔ یہاں تو میں اطمینان سے لیٹا سگریٹ پی رہا تھا اور اندر شہزادی صاحبہ بھائی سے ٹیلیفون پر ایک اور لڑائی لڑ چکی تھیں میرے پاس دوڑی ہوئی آئیں اور کہنے لگیں کہ "بھائی صاحب نے میری اور تمہاری گرفتاری کا حکم جاری کر دیا ہے"۔

میں نے کہا "کون پکڑنے آئے گا"؟

یہ کہہ کر میں اٹھا اور الماری سے میں نے اپنا سترہ فائر والا براؤنی پستول نکال کر میز پر رکھتے ہوئے شہزادی صاحبہ کی طرف دیکھ کر کہا:۔
"میرا یا تمہارا گرفتار کرنا مذاق نہیں ہے۔ میں نہیں جانتا کوئی بھی ہو میں نہیں چھوڑوں گا"۔ اتنا کہہ کر میں نے شہزادی صاحبہ کے خوبصورت مگر پریشان چہرے کی طرف دیکھا وہ واقعی پریشان تھیں۔ اپنے کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے میں نے کہا:۔

"کچھ مذاق تھوڑا ہی ہے اگر ذرا بھی میں نے کمزوری دکھائی تو تمہارے بھیا مجھے تم سے چھڑا دیں گے۔ لہٰذا میں نے سوچ لیا ہے کہ کوئی بھی ہو اگر مجھے یا تمہیں پکڑنے آیا تو میں اسے جیتا نہیں چھوڑوں گا۔

میں نے اتنا ہی کہا تھا کہ شہزادی صاحبہ کی سرمگیں آنکھوں میں آنسو بھر آئے میں کچھ کہنے ہی کو تھا کہ ایک خواص باہر سے گھبراہٹ کے ساتھ اندر داخل ہوئی اور اس نے کہا "کرنل فدا علی خاں صاحب منجھلے صاحب اور چھوٹے صاحب موٹر سے اُتر کر ادھر آرہے ہیں"

یہ منجھلے صاحب اور چھوٹے صاحب دونوں میرے سالے تھے اور یہ دونوں.... حضرات دراصل بحکم نواب صاحب اپنی بہن کو گرفتار کرنے آئے تھے اس لئے کہ کوئی غیر شخص تو گرفتار کرنے آ نہیں سکتا اور کرنل فدا علی خاں مجھے گرفتار کرنے آئے تھے یہ خبر سنتے ہی میں نے شہزادی صاحبہ کو تو اندر جانے کو کہا تا کہ بھائیوں کا خون ہوتے دیکھ کر کہیں سہم نہ جائیں۔ شہزادی صاحبہ اندر چلی گئیں اور میں حالانکہ پریشان سا تھا لیکن مزے سے آرام کرسی پر لیٹ گیا۔ اور پھر اسی طرح سگریٹ پیتے لگا کر اتنے میں..... چوبدار نے کمرے کے دروازے پر دستک دی میں نے اندر بلایا تو اس نے کرنیل صاحب اور صاحبزادوں کا پیغام دیا۔ میں نے اس سے کہا کہ جا کر کہدو کہ نکل جائیں۔ ہمارے محل سے میں نے یہ کہا ہی تھا کہ منجھلے صاحبزادے صاحب کمرے کا دروازہ کھول کر داخل ہوئے ان کا گھسنا تھا کہ میں نے للکار کر کہا "خبردار جو آگے قدم رکھا" یہ کہکر میں نے پستول اٹھایا کہ اتنے میں دوسرے بھائی اور کرنل فدا علی خاں دوسرے دروازے سے گھسے۔ میں نے منجھلے صاحب کی طرف نشانہ تان کر ٹھیک ان کے سینے پر فائر کیا۔ فائر تو خالی گیا مگر صاحبزادے صاحب بدحواس ہو کر کوچوں اور میزوں کے نیچے گھس کر روپوش ہو گئے اور میں نے اب چھوٹے صاحبزادے اور کرنل فدا علی خاں کی طرف توجہ کی۔ چھوٹے صاحبزادے پر میں نے دو فائر کئے اور وہ بھی خالی گئے

لیکن کرنل فدا علی خاں نعرہ مار کر سیدھے میرے اوپر جھپٹے۔ بڑھتے بڑھتے میں نے ان پر چار فائر کئے۔ پہلا خالی گیا اور تین بالکل ہی قریب سے ان کے سینے میں لگے۔ آخری فائر پر وہ لڑکھڑا گئے اور میں نے اپنا پستول والا ہاتھ نیچا کر لیا۔ اس خیال سے کہ اب کرنل صاحب گرتے ہیں۔ میرا ہاتھ کا نیچا کرنا تھا کہ کرنل ایک دم سے جھپٹ کر میرے اوپر پھاند پڑا اور ہم دونوں ایک دوسرے سے گتھ گئے۔ کرنل نہایت ہی مضبوط جوان تھا لیکن میں نے اسے اٹھا کر دور پھینکا مگر اس کشمکش میں میرے ہاتھ سے پستول جاتا رہا تھا اور اب میں نے دیکھا کہ پستول کرنل کے ہاتھ میں پہنچا۔ لہٰذا میں تیزی سے کود کر اندر بھاگ گیا۔ اندر کچھ اور ہی سین تھا خواصیں حواس باختہ رو رہی تھیں اندر آنے کے بعد سب دروازے بڑی تیزی سے بند کر دئے گئے۔ اور شہزادی صاحبہ نے مجھے مشورہ دیا کہ محل کی پشت والی کھڑکی سے کود کر نکل جاؤں اور پھر انھیں بھی اتار کر موٹر میں بیٹھ کر ہم دونوں فی الحال تو جدھر بھی ممکن ہو بھاگ چلیں۔ میں نے ایسا ہی کیا لیکن میرا کھڑکی سے کودنا تھا کہ رسالہ کے سپاہیوں نے نہ معلوم کدھر سے پہنچ کر مجھے برچھیوں کی نوکوں سے گھیر لیا۔ محل کے چاروں طرف رسالہ نے گھیرا ڈال رکھا تھا اور میں گرفتار ہو گیا۔ مجھے پکڑ کر ایک موٹر میں بٹھایا جس کے چاروں طرف پہرہ تھا برابر ایک دوسری موٹر پر کرنل فدا علی خاں صاحب بیٹھے ہوئے تھے مجھے سخت تعجب ہوا کہ فدا علی خاں کے سینے پر تین گولیاں لگیں لیکن وہ مزے میں تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔ ایک سپاہی کا صافہ البتہ ان کے سینے پر پٹی کی طرح کسا ہوا تھا۔

دونوں بھائیوں نے اندر جا کر اپنی بہن کو بھی گرفتار کر لیا اور ایک زنانی موٹر محل کی زنانہ ڈیوڑھی کی طرف طلب کی گئی۔ قبل اس کے کہ میں شہزادی صاحبہ کو موٹر پر بٹھاتے

ہوئے دیکھوں کرنل فدا علی خاں نے اشارہ کیا اور میرا اور ان کا موٹر روانہ ہوگیا
میں یہ کہنا بھول گیا کہ میرے ہاتھ خود میرے ہی رومال سے کس کر باندھ دیے گئے
تھے۔ گو ویسے ہتھکڑیاں بھی موجود تھیں میں جانتا تھا کہ اگر ذرا بھی میں نے گڑبڑ کی
تو ہتھکڑیاں ڈال دی جائیں گی۔ لہذا میں چپکا بیٹھا رہا۔

موٹر شاہی محل کے پاس پہنچ گیا۔ کرنل فدا علی خاں اتر سیدھے اندر پہنچے
اور فوراً ہی ایک چوبدار دوڑا ہوا آیا اور میری طلبی کی خبر کی۔ میں نہایت ہی متانت
اور۔۔۔۔ سنجیدگی سے موٹر سے اترا اور سپاہی مجھے نواب صاحب کی خدمت میں لے چلے۔

کورٹ مارشل

میں نواب صاحب کے سامنے پیش کیا گیا۔ کرنل فدا علی خاں کے سینے کے زخم دیکھے جا رہے تھے۔ خدا کی شان ہے کہ گولیاں کوٹ اور قمیص اور واسکٹ کے کپڑے کو پار کر کے بنیان کو بغیر کاٹے ہوئے اپنے ساتھ لے کر کرنل کے سینے میں آدھی آدھی گھس گئی تھیں اور ہاتھ کے اشارے سے نکل آئیں۔ مسکرا کر کرنل فدا علی خاں نواب صاحب سے کہہ رہے تھے کہ "حضور کے اقبال سے باغیوں کی گولی خادموں کے بدن پر اثر نہیں کر سکتی"!

کرنل صاحب نے یہ کہا ہی تھا کہ نواب صاحب میرے اوپر پھٹ پڑے ادھر انھوں نے خرافات بکنا شروع کیں اور ادھر میں نے زبان درازی شروع کی کہ غصہ میں آ کر نواب صاحب نے حکم دیا کہ مجھے سامنے کھمبے سے باندھ دیا جائے اور اپنا شکار کا رائفل طلب کیا اور مجھے سچ مچ گولی سے اڑا دینے کی تیاری کی۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ کہاں تک وہ مجھے ڈرا رہے تھے۔ کچھ بھی ہو سپاہیوں نے لیجا کر مجھے سامنے کھمبے سے باندھ دیا اور نواب صاحب رائفل میں کارتوس بھر کر برآمدے سے اتر کر میری طرف بڑھے ہی تھے کہ کیا دیکھتا ہوں کہ وزیر اعظم ہانپتے کانپتے دوڑے ہوئے پہنچے اور گھبرا کر انھوں نے ہاتھ جوڑتے ہوئے بڑھ کر نواب صاحب سے کہا:-

"اے میرے شہنشاہ! یہ کیا غضب کرتے ہیں، خدا کے واسطے غصّہ کو روکئے۔"

. . . .

یہ کہہ کر انھوں نے رائفل کی نال پکڑ لی۔

نواب صاحب نے جھنجلا کر رائفل چھڑاتے ہوئے کہا:۔

"تم چھوڑ دو۔ میں اس موذی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا ابھی مار ڈالوں گا۔"

وزیر اعظم نے پریشان ہو کر کہا۔ "حضور والا جلدی نہ کیجئے، صبر سے کام لیجئے۔ رحم کیجئے کس کو مار رہے ہیں آپ؟"

"باغی کو" نواب صاحب نے کہا۔

"بہنوئی کو، بہنوئی کو ماریئے گا؟"

"کیا فضول بکتے ہو"۔ نواب صاحب نے بگڑ کر کہا۔ "یہ باغی ہے اور موذی ہے غدار ہے۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

یہ کہتے ہوئے نواب صاحب نے رائفل کا گھوڑا چڑھایا۔

وزیر اعظم نے گھبرا کر اپنا صافہ سر پر سے اتار کر پھینکدیا اور میرے اور نواب صاحب کے بیچ میں آکر اپنا سر پیٹ لیا اور چیخ کر کہا۔ "غضب ہو جائے گا کیا رحیمنی کو رانڈ کرا دیجئے گا؟"

وزیر اعظم نے کہا۔ "جی ہاں میرا منہ کالا ہو جائے گا اور رحیمنی ہو جائیگی۔ آپ بچہ ہیں، بے خطا بہنوئی کو مارنا بچپن نہیں تو اور کیا ہے!"

چونک کر نواب صاحب نے کہا۔ "بے خطا! یہ بے خطا ہے؟"

وزیر اعظم نے کہا۔ "بے خطا ہرگز نہیں واجب القتل ہے لیکن اس طرح

سے اگر آپ قتل کریں گے تو یہاں سے ولایت تک یہی کہنے کو ہوگا کہ ابھی بچے ہیں سلطنت کرنے کے قابل نہیں لہٰذا کم از کم دس سال کے لئے حضور والا ولایت بھیجدئے جائیں گے اور ریاست میں ریجنسی قائم کردی جائے گی"۔

نواب صاحب ذرا چکرائے۔ مگر کہنے لگے "خواہ اختیارات رہیں یا جائیں اور ریجنسی قائم ہو یا کچھ اور ہو میں اس موذی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا"۔

وزیر اعظم نے کہا "میں کب کہتا ہوں کہ اس باغی کو چھوڑ دیجیے۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ وہ ترکیب کیجئے کہ سانپ مرے اور لاٹھی نہ ٹوٹے"۔

نواب صاحب نے پوچھا "وہ کیا ہے؟"

وزیر اعظم نے کہا "حضور والا کام قاعدہ سے کرنا چاہئے ملزم کو بغاوت کے الزام میں گرفتار کیا گیا ہے۔ لہٰذا قاعدہ کے موافق کورٹ مارشل سپرد کیجئے۔ اور کورٹ مارشل کے ذریعہ باضابطہ موت کی سزا دے کر باغی کو قتل کرا دیجئے۔ ورنہ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ میرا منہ کالا ہوگا اور حضور کے اختیارات الگ جاتے رہیں گے ذرا غور فرمائیے دنیا کیا کہے گی کہ ابھی خلد آشیاں پدر بزرگوار کا کفن بھی میلا نہ ہوا تھا کہ بہنوئی کو قتل کرا دیا۔ لہٰذا بہتر ہے کہ میری درخواست منظور فرمائی جاوے اور باغی کو کورٹ مارشل سپرد کیا جائے"۔

نواب صاحب نے وزیر اعظم کے مشورہ کو قبول کیا مجھے حوالات کا حکم دیا اور کورٹ مارشل کے لئے افسران کے انتخاب کا حکم دیا۔

قید

کورٹ مارشل کی عدالت تین افراد پر مشتمل تھی ایک تو میجر عبدالطبیب خاں .... دوسرے کرنل احمد علی خاں اور تیسرے ایک صاحب اور تھے۔ اب لطف تو ملاحظہ ہو کہ ان تینوں حضرات کو نواب صاحب نے طلب فرما کر حکم دیا کہ جلد سے جلد متفقہ طور پر فیصلہ کر کے مجھے موت کی سزا دیں۔ لیکن جناب مجھے موت کی سزا دینا اور وہ بھی بے قصور کوئی معمولی بات تو نہیں تھی۔ لہذا ان تینوں حضرات نے نواب صاحب سے وعدہ تو کر لیا کہ حسب الحکم مجھے موت کی سزا دیں گے لیکن وزیر اعظم نے جو مشورہ کیا تو وزیر اعظم نے کہا کہ بجائے مجھے موت کی سزا دینے کے چودہ برس کی قید سخت کر دی جائے کیونکہ بلا وجہ ثبوت مجھے موت کی سزا دینا خود اپنی شامت بلانا تھا۔

قصہ مختصر کورٹ مارشل کی کارروائی شروع ہوئی۔ میرے اوپر غداری اور بغاوت وغیرہ کے الزام لگائے گئے اور نیز کرنل فدا علی خاں کو اور ہر دو صاحبزادگان کو قتل کرنے کے اقدام کا جرم لگایا گیا۔ میں نے جرم سے انکار کیا۔ شہادت و گواہیاں ہوئیں اور نتیجہ یہ کہ عدالت و کورٹ مارشل نے مجھے چودہ برس قید سخت کی سزا سنا دی اور مجھے جیل بھیج دیا گیا۔

میں تو جیل چلا گیا مگر جن لوگوں نے مجھے جیل بھیجا تھا اب ان کی شامت آ گئی

نواب صاحب نے ان کو طلب کر کے دریافت کیا کہ آخر کیوں انھوں نے حسب الحکم مجھے موت کی سزا نہ دی ۔ بیچارے کیا جواب دیتے ۔ مجبور تھے ۔ جو کچھ بن پڑا جواب دیا نتیجہ یہ کہ میجر عبد الطبیب خاں اور کرنل احمد علی خاں دونوں معتوب اور ذلیل ہوئے نوکری سے برطرف ہوئے نتیجہ یہ کہ عبد الطبیب خاں نے لنگران چھوڑ کر جان بچائی لیکن کرنل احمد علی خاں بے چارہ آج اسی ناکردہ گناہ کی پاداش میں جیل میں سڑ رہا ہے خدا رحم کرے ۔

میں جیل میں تھا لیکن میرے لئے جیل میں کوئی تکلیف نہ تھی ۔ عام جیل سے علیحدہ مجھے شاہی جیل میں رکھا گیا تھا اور چار چھ روز بعد ہی شہزادی صاحبہ سے خفیہ طور پر مجھ سے نامہ و پیام ہونے لگے ۔ میں تو کچھ نہ کر سکتا تھا ۔ لیکن انھوں نے شاہی محل میں اودھم مچا رکھا تھا اور ایک طرح سے وہ بھی مقید تھیں یعنی یہ کہ محل کے ایک عالیشان حصّہ میں ان کو مجبوراً رہنا پڑا تھا ۔ جہاں وہ مجبور ہو کر فاقہ کشی اور دوسری مہاتما گاندھی والی ترکیبوں سے اپنے بھائی کو خوب اچھی طرح دق کر رہی تھیں ۔

رہائی

کئی مہینے اسی طرح جیل میں گذر گئے اور اس دوران میں میری رہائی کے لئے عزیزوں اور رشتہ داروں نے انتہائی کوششیں کیں سب ہی نے زور لگائے محل میں شہزادی صاحبہ نے بھی انتہائی کوششیں کیں، لیکن کوئی صورت رہائی کی نہ نکلی۔ وقت اسی طرح گذرتا گیا حتیٰ کہ نواب صاحب بہادر کی تاج پوشی کی رسم کا موقع قریب آیا۔

دور دور کے والیانِ ریاست اور افسران وغیرہ وغیرہ اور دوسرے مہمانوں کو بلاوے دئے گئے تھے اور جیل ہی میں مجھے معلوم ہوا کہ لنکران شہر آج دلہن کی طرح سجا ہوا ہے۔ سارے شہر کی سڑکیں طرح طرح سے آراستہ کی گئیں ہیں اور بچہ بچہ اپنے بادشاہ کی رسم تاجپوشی کی خوشی منا رہا ہے۔ محل کی سجاوٹ اور خوشی کا کیا کہنا۔ سارا محل خوشی کی چہل پہل میں مصروف تھا طرح طرح کے شادیانے بج رہے تھے۔ لونڈیاں باندیاں قیمتی لباس پہنے سارے محل کو مارے خوشی کے سر پہ اٹھائے لیتی تھیں لیکن میری شہزادی صاحبہ نے بطور احتجاج اس خوشی کے دن محض اپنے بھائی کو دق کرنے کے لئے ماتمی لباس پہنا تھا۔

توپوں کی گرج سے سارا لنکران دہل گیا اور مجھے معلوم ہوا کہ شاہی سواری دربار

میں رسم تاج پوشی کے لئے روانہ ہوگی۔ بڑی شان کا دربار تھا اور شاہانہ ٹھاٹھ کے ساتھ تخت پر کا والا جلوہ افروز ہوئے۔ رسوم ادا کئے گئے حتیٰ کہ رسم کے آخری حصّے یعنی تاج پہنانے کا وقت آیا تاج پہنانے والا خاندان کا سب سے بزرگ شخص ہوتا ہے جب وہ وقت آیا تو خاندان کے فرشتہ سیرت اور نورانی صورت بزرگ نے اپنے کانپتے ہوئے ہاتھوں میں لنگران کا شاہی تاج لیا اور ادب کیساتھ دعائیں دیتے ہوئے اس پلیٹ فارم پر چڑھے اور تخت شاہی کی طرف بڑھے دربار کا ہال مبارک سلامت اور دعاؤں سے گونجنے لگا۔ فرشتہ صورت بزرگ نے تاج شاہی آگے بڑھایا اور دو ماں لنگران کے جائز وارث کے فرق مبارک پر تاج رکھنے ہی کو تھے کہ لمحہ بھر کے لئے وہ رُکے۔ دعائیہ کلمے انھوں نے اپنی زبان سے نکالے اور بلند آواز سے آقائے لنگران کو مخاطب کرکے کہا۔ سارے دربار میں ایک دم سے خاموشی چھاگئی اور اس فرشتہ سیرت بزرگ کی کانپتی ہوئی آواز اپنے زیر اور اتر کو لئے ہوئے اس طرح گونجی۔

جہاں پناہ سلامت۔ یہ ایک خوشی کا موقع ہے۔ خدا نے آج وہ خوشی کا دن دکھلایا ہے جس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ رعایا سے لیکر بادشاہ تک بچہ بچہ خوش ہے اور کیوں نہ ہو کہ لنگران اعظم کے جانشین کی آج تاج پوشی کا دن ہے یہ شاہی تاج فرق مبارک پر رکھ کر میں اس خوشی کی تکمیل کرنے والا ہوں لیکن اس خوشی کے موقع پر اپنے آقائے نامدار اور شہنشاہِ عالی وقار سے ایک بھیک مانگتا ہوں۔ اے میرے شہنشاہ یہ خوشی کا موقع ہے۔ میں آپ کا خادم ہوں مگر رشتے میں دادا کی طرح بزرگ ہوں اور اپنے نورِ چشم سے بھیک مانگتا ہوں ...... درباریوں ...... اپنے بادشاہ سے اس بڈھے کی سفارش کرو۔ میں ایک بھیک مانگتا ہوں۔ سفارش کرو کہ اس خوشی

کے موقع پر جو بھیک مانگوں وہ مجھے مل جائے"۔

درباریوں نے یک زبان ہو کر سفارش کی اور نواب نے ان بزرگ سے کہا: "مانگئے آپ کیا مانگتے ہیں"۔

بزرگ نے کہا: "زبان مبارک سے پہلے فرما دیجئے کہ جو میں مانگتا ہوں وہ ملے گا میں کوئی بڑی چیز نہیں مانگتا۔ آپ نے لینے کی اور بادشاہوں کے دینے کی چیز مانگتا ہوں کوئی روپے کی چیز نہیں ہزار کی نہیں بہت چھوٹی چیز ہے اور اگر کوئی بڑی چیز بھی ہے تب بھی یہ خوشی کا موقع ہے لینے والے اور دینے والے دونوں کا حق ہے۔ لہٰذا مجھے مرحمت فرمائی جائے"۔

ایک دم سے چاروں طرف سے درباریوں نے سفارش کی اور نواب صاحب کو کہنا پڑا: "اگر دینے کی کوئی بھی چیز ہے تو میں نے دی۔ مانگئے کیا مانگتے ہیں"۔

بزرگ نے تاج شاہی فرق مبارک پر رکھتے ہوئے توپوں کی گرج کی سلامی میں اور چاروں طرف سے مبارکبادی کے غلغلہ کے بلند ہوتے ہی بلند آواز سے کہا۔ "نواب کھریا بہادر کو معاف کر دیا جائے۔ کھریا بہادر کی آزادی مانگتا ہوں"۔

ظاہر ہے کہ ایسے موقع پر درخواست کو عملی جامہ پہنایا گیا کہ نواب صاحب کو انکار کرتے ہی نہ بنا۔ لیکن پھر بھی انھوں نے انکار کر دیا۔ مگر پریزیڈنٹ اور دوسرے بڑے بڑے لوگوں نے پر زور سفارش کی اور ان بزرگ نے حضور والا کے پیر پکڑ لے کی دھمکی دی۔ تو مجبوراً نواب صاحب کو معاف کرنا ہی پڑا۔

میں ابھی جیل میں ہی تھا کہ مجھے اطلاع ملی کہ میں معاف کر دیا گیا۔ چشم زدن میں

یہ خبر سارے محل میں اڑ گئی اور جلدی جلدی میں نواب صاحب کی خدمت میں نذر گزارنے کے لئے اور معافی مانگنے کے لئے حاضر ہونے کی تیاری میں مصروف ہو گیا۔

ادہر زنانہ محل میں شہزادی صاحبہ نے ابھی اپنے غم کو خیرباد کہا اور وہ اندر کے جشن میں شریک ہو گئیں۔ میں سیدھا دربار میں پہنچا نذریں گذر رہی تھیں کہ ہاتھ باندھے معافی کے لئے میں پیش کیا گیا اور سر دربار مجھے معافی دی گئی اور میری نذر قبول کی گئی۔

"رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت" سنتے ہی چھوٹے اپنے محل میں.... شہزادی صاحبہ کے ساتھ بدستور رہنے لگا لیکن اس گڑبڑ میں میری جاگیر جو ضبط ہو گئی تھی وہ بدستور ضبط ہے۔ کوشش کر رہا ہوں کہ جاگیر واپس ملے۔ لیکن کوئی خاص اُمید نہیں شہزادی صاحبہ کو جو گذارہ ملتا ہے اسی میں فی الحال ٹھاٹھ سے بسر ہو رہی ہے کچھ بھی سہی۔ ایک بات کا تو ہمیں پتہ چل گیا اور وہ یہ کہ حسب ذیل مصرعہ اگر غلط نہیں ہے تو الٹا ضرور ہے:۔ ع

کہ عشق آساں نمود اوّل و لے افتاد مشکلہا"

کیونکہ

اب آسانی اور آرام ہے اور کوئی مشکل نہیں۔ نہ پٹنا نہ کٹنا۔ فقط

"ک، ب"

علمی کتاب خانہ دہلی کی دیگر مطبوعات

ناول

سلمیٰ	اشرف صبوحی	عار
بن باسی دیوی	″	سے ر
کھرپا بہادر	عظیم بیگ چغتائی	عار ۴ر
توبۃ النصوح	مولوی نذیر احمد	عہ ۱۲ار
ٹوٹے ہوئے پر	جبران خلیل جبران	۸ عہ ر
نگہت	قیسی رام پوری	عہ ۸ ر

افسانے

سچی کہانیاں	پریم پجاری	سے ر
پنکھڑیاں	شیریں	عار ۴ر
سمن پوش	مجنوں گورکھپوری	عہ ۱۲ار
رقاصہ	ایم اسلم	۸ عہ ر
خطوط کی ستم ظریفی	عظیم بیگ چغتائی	۱۰ار
ایک کہانی	چھ ادیبوں کی زبانی	۸ر

تماشے پر تماشا	ناکارہ حیدرآبادی	۴ر
عشق کی گولیاں	فرحت اللہ بیگ دہلوی	۴ر
انکشاف حقیقت	صادق الخیری ایم اے	۴ر
گمنام عورت کا خط	ظفر قریشی بی اے	۴ر
خواب پریشاں	مولوی عنایت اللہ	۴ر
بیگموں کی چھیڑ چھاڑ	فراق دہلوی	۴ر
دہلی کا اجڑا ہوا لال قلعہ	″	۴ر
سات طاقتوں کی کہانیاں	″	۴ر
صبر باد شاہ زادہ	اشرف صبوحی	۴ر
لعل شہزادہ	″	۴ر
شہزادہ نے نواز	″	۴ر
دریا کی شہزادہ	″	۴ر
سونے کا محل	″	۴ر
ہیرامن طوطا	″	۴ر
تھوڑی تارا ملتھے چاند	″	۴ر
موصل کے سوداگر		۱۰ار

بچوں کی چار درویش حصہ اول	۶ر	مقدمہ شعر و شاعری مولانا حالی	ع ۴ر
" " " دوم	۶ر	دیوان حالی "	عہ ۱۲ر
" " " سوم	۶ر	سلاسل جان نثار اختر	عہ ۲ر
" " " چہارم	۶ر	بزم آخر منشی فیض الدین	۱عہ ر
چند بند مولوی نذیر احمد	۱۰ر		

متفرق کتب

مطالعہ حافظ مولوی احتشام الدین عمہ ر

ملنے کا پتہ

علمی کتاب خانہ اردو بازار دہلی

= معظم حسین ڈا =